OPERATION
تاریخ قرآن

تالیف
سید امجد حسین

آپریشن

تاریخ قرآن

سید امجد حسین

مقدمہ

دیگر علوم کی طرح علم تاریخ کے بھی اصول ہیں اور یہ جانچ پڑتال کے عمل سے گزرتا ہے۔ ہر تاریخی خبر کی کوئی نہ کوئی تحریری یا تصویری سند ہونی چاہیے تاکہ اس کی جانچ سے اس خبر کی درستگی کا تعین کیا جاسکے۔ جب ہم قدیم مصر کے حکمران خاندانوں کی بات کرتے ہیں تو ان کی تاریخ کے حوالے سے ہمارے پاس تاریخی دستاویزات ہونی چاہئیں جو کہ موجود ہیں اور تحقیق کاروں نے انہیں اہرام مصر اور دیگر فرعونوں کی قبروں سے دریافت کیا ہے۔ یہ ساری دستاویزات مصر کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ یہی بات قدیم یونانی یا فارسی تاریخ پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ اگر کھدائیاں اور مخطوطے کسی تاریخی حادثہ یا واقعے کے تمام پہلو اجاگر نہ کریں تو اس صورت میں ہم اس واقعہ یا حادثہ سے متعلق قیاس سے کام لے سکتے ہیں، مثلاً اگر ہم دوسری عالمی جنگ سے مثال لیں اور نازی دور حکومت اور اس کے دیگر ملکوں پر طاقت کے ذریعے قبضے پر نظر ڈالیں کہ کس طرح ہٹلر کی گستاپو Gestapo فورس نے یہودیوں اور دیگر لوگوں پر مظالم ڈھائے اور ان کا قتل عام کیا تو ہمیں ان واقعات کی تصاویر اور دستاویزی فلمیں میسر ہیں مگر یہ دستاویزات ہمیں یہ نہیں بتاتیں کہ وہ کون کون لوگ تھے جو یہودیوں کو مقتل کی طرف لے جارہے تھے، اگرچہ ہم گستاپو فورس کے سربراہان اور کچھ دیگر ذمہ داروں کے نام جانتے ہیں جو اس قتل عام کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اس صورت میں ہم قیاس سے کام لیتے ہوئے خود سے سوال کریں گے کہ جیسے ہی اتحادی فوج برلن کے نزدیک پہنچی تو نازی فوج کا ایک ڈاکٹر کیوں بھاگ کھڑا ہوا؟ ڈاکٹر جوزف منگلی Josef Mengele بھیس بدل کر ارجنٹائن بھاگ گیا تھا اور وہاں اس نے اپنا چہرہ بدلنے کے لیے کئی آپریشن کرائے۔ جب قتل عام سے بچ جانے والے کچھ لوگوں نے بتایا کہ کچھ ڈاکٹر قیدیوں پر تجربات کر رہے تھے تو یہاں ہم ایک پُریقین قیاس کرسکتے ہیں کہ ڈاکٹر منگلی ان تجربات میں ملوث تھا ورنہ وہ بھاگ نہ کھڑا ہوتا کیونکہ وہ فوجی نہیں تھا۔ اسلامی تاریخ پر بات کرتے ہوئے ہم اسی طرح کے قیاسات روبہ عمل لائیں گے۔

جزیرہ نما عرب کی زیادہ تر تاریخ ابھی تک دستاویز شدہ نہیں ہے ماسوائے یمن، جس کے ایک ہزار سال قبل از عیسوی کے زمانے کے مخطوطے اور پتھروں کے نقوش ہمیں میسر ہیں، جن سے ہمیں وہاں کی تاریخ کی اچھی معلومات میسر ہیں جیسے معینی سلطنت، اس کے شاہوں خداؤں اور عبادتگاہوں کے بارے یا حضرموت اور سلطنت سبا یا پھر مارب کے ڈیم اور حبشی حاکم ابرہہ کی اس ڈیم کی ترمیم کی معلومات وغیرہ۔

حجاز اور وسطی جزیرہ عرب میں تحقیق کاروں کو قبل از اسلام کے زمانے کے کوئی خاص مخطوطے نہیں ملے ماسوائے چند ٹکڑوں کے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ عربی زبان لوگوں کے بول چال کی زبان ضرور تھی مگر اس میں نقطے، تنوین کی علامتیں اور حروف علت vowels نہیں تھے، جن کے متبادل کے طور پر بعد میں تشکیل یعنی زیر زبر تشدید پیش وغیرہ سے کام چلایا گیا۔ اعداد بھی عربوں نے اسلام کے بعد آرامی یا سریانی زبان سے لیے۔ اب تک دریافت ہونے والا سب سے پرانا مخطوطہ "الرقش" یا "الرقشہ" ہے جس کی تاریخ 267 عیسوی کی ہے۔ اس کی ایک جھلک آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔ نیز اس تعلق سے تفصیلی معلومات کے لیے آپ درج ذیل لنک کی مدد حاصل کر سکتے ہیں جہاں ایک خوب صورت مقالہ آپ کا منتظر ہے:

http://www.islamic-awareness.org/Quran/Text/Mss/vowel.html
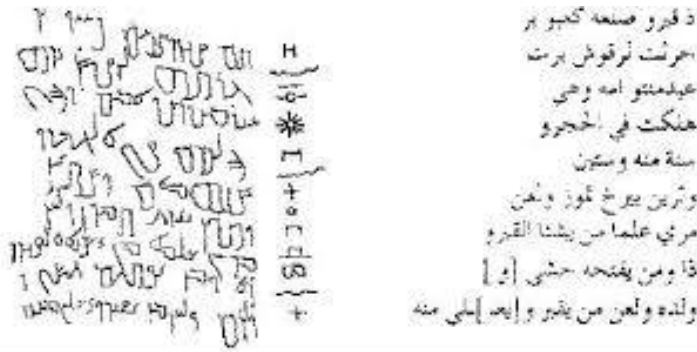
آپ دیکھیں گے کہ اس مخطوطے میں عربی اور نبطی کا ایک آمیزہ ہے جس میں نقطے یا اعداد وغیرہ نہیں ہیں، اس کے ساتھ کی تحریر ثمودی ہے۔ ساتھ ہی عربی اور نبطی تحریر کی جدید عربی میں ڈیکوڈنگ ہے۔ اس مخطوطے سے پتہ چلتا ہے کہ عربی زبان آج کی طرح لکھی جانے والی زبان نہیں تھی۔

اگر 267 عیسوی تک یعنی قرآن کے منظرِ عام پر آنے سے کوئی تین سو سال پہلے عربی تحریر کا یہ عالم ہے تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عربی لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں تھی بلکہ محض بول چال کی زبان تھی، کچھ زبان دانوں کا خیال ہے کہ قرآن کے زمانے میں عربی زبان آرامی اور سریانی حروف سے لکھی جاتی تھی کیونکہ آرامی اور سریانی زبانیں ہی اس زمانے کی تحریری زبانیں تھیں جس کی ایک جھلک تصویر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری اسلامی تاریخ محض زبانی تاریخ ہے جو تب احاطۂ تحریر میں لائی گئی جب عربی زبان پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے وسط میں ترقی کر گئی اور اس میں نقطے اور اعداد شامل کیے گئے۔ جس تاریخ کا انحصار سو سال یا اس سے بھی زائد عرصہ تک راویوں کی یاداشت پر رہا ہو، کسی طور قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس صورت میں صرف قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔

عالم اسلام کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی مولویوں سے سنتے ہیں، اسے نہایت سنجیدگی سے لیتے ہیں اور اسے عین حقیقت سمجھتے ہیں جس پر کوئی دوسری بات ہو ہی نہیں سکتی، اس سنی سنائی پر غور و فکر یا تنقید کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

اسلام کی ساری تاریخ بشمول قرآن کے نزول اور اس کی جمع و تدوین کے ساری کی ساری جعلی تاریخ ہے جسے راویوں نے اسلام کے ظہور کے دسیوں سالوں بعد لکھا، وہ بھی غیر جانبدارانہ تاریخ کے طور پر نہیں بلکہ محض محمد اور کچھ مذہبی تعلیمات ورسومات جسے اسلام کا نام دیا گیا، کو خدا بنانے کے لیے۔

سید امجد حسین

28 اکتوبر 2017

پہلا باب

جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ قبل از اسلام کے عربوں کے عربی زبان میں لکھے ہوئے کوئی مخطوطے نہیں ملتے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عربی زبان غیر تحریری زبان تھی۔ ایسی کثیر زبانیں ہیں جن کے بولنے والے ختم ہو گئے یا ہونے کے قریب ہیں، یہ لوگ ایسی زبانیں بولتے ہیں جو آج بھی نہیں لکھی جاتیں۔ اس وقت دنیا میں چھ ہزار سے زیادہ زندہ زبانیں موجود ہیں تاہم ان کی اکثریت تحریری نہیں ہے۔ ان میں سے 473 زبانیں ناپید ہونے کے قریب ہیں کیونکہ یہ غیر تحریری زبانیں ہیں اور ان کے بولنے والے اقلیت میں ہیں۔

تحریر کے پہلے حصہ میں دکھائے جانے والے مخطوطے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربی ان حروف میں جنہیں آج ہم پہچانتے ہیں؛ نہیں لکھی جاتی تھی ماسوائے یمن کے (مملکتِ معین، سبا، حضر موت) اور یہ حال اسلام کے ظہور سے تین سو سال پہلے تک تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر طہٰ حسین کے مطابق اسلامیوں کے یہ دعوے کہ جاہلیت کی شاعری لکھ کر کعبے کی دیواروں پر لٹکائی جاتی تھی جنہیں معلقات کا نام دیا گیا، محض اسلامی اختراع ہے جس کی کوئی عملی اور عقلی دلیل نہیں ہے، کیونکہ عربی زبان تو لکھی ہی نہیں جاتی تھی، پھر شعراء اپنی طویل معلقات کیسے لکھتے تھے؟ اور کعبے کی دیواروں پر لٹکانے سے پہلے انہیں کس پر لکھا جاتا تھا، جبکہ جاہلیت کے بعد آنے والا قرآن ہڈیوں، پتوں اور چمڑے پر لکھا جاتا تھا؟ امراؤ القیس کے معلقہ کو کتنی بھیڑوں کے چمڑے کی ضرورت پڑی ہو گی اور اسے کعبے پر کیسے لٹکایا گیا؟

محمد کی اپنی دعوت شروع کرنے کے بعد بھی عربی لکھنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، جبکہ حروف کے نقطے اور تنوین اس وقت متعارف نہیں تھے۔ بعض لغت دانوں کا تو خیال ہے کہ عربی آرامی حروف سے لکھی جاتی تھی جسے شام کے عیسائیوں سے سیکھا گیا تھا (جس طرح آج ہم رومن اردو لکھتے ہیں اور عربی حروف کی بجائے رومن حروف استعمال کرتے ہیں جیسے السلام علیکم کی بجائے assalamo alaikum ۔

لٰہذا پہلے ہی کہا جاچکا ہے کہ ساری اسلامی تاریخ محض زبانی تاریخ ہے جو تب احاطہ تحریر میں لائی گئی جب عربی زبان پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے وسط میں ترقی کر گئی اور اس میں نقطے اور اعداد شامل کیے گئے۔ جس تاریخ کا انحصار سو سال یا اس سے بھی زائد عرصہ تک راویوں کی یاداشت پر رہا ہو، کسی طور قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس صورت میں صرف قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان اخباریوں کی منقولی یا زبانی تاریخ کا ذرا تفصیلی جائزہ لیا جائے، جس کی صحت میں سقم اس کے اندر ہی موجود ہے۔ یہ زبانی تاریخ طویل ہے، ہماری کوشش ہوگی کہ اسے حتی الامکان مختصر طور پر پہلے پیش کیا جائے اور پھر اس پر مقدمہ قائم کیا جائے۔ بعد ازاں ہم قرآن کے پرانے مخطوطات، جو ماضی قریب میں ہمیں ملتے رہے ہیں اور جنھیں مسلمان دیکھ دیکھ کر تالیاں بجاتے رہے ہیں، ان کے پوسٹ مارٹم کا نمبر آئے گا۔ خیر تو ہم اب شروع کرتے ہیں قرآن کی وہ زبانی تاریخ، جو مسلمانوں نے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔

جب پیغمبر اسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا، تب حضرت کی عمر چالیس سال تھی جو تریسٹھ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئی۔ پیغمبر اسلام پر تئیس سال تک نام نہاد "وحی" کا نزول ہوتا رہا، یہ وحی مختلف مواقع پر نازل ہوتی رہی، جیسے اگر کوئی کسی مخصوص چیز کے بارے میں سوال کرتا کہ روح یا ہلال وغیرہ کیا ہے یا پھر کوئی مسئلہ درپیش آجاتا یا پھر اگر وہ کوئی سنت قائم کرنا چاہتے ہوں۔ یوں قرآن کا یہ "نزول" متفرق آیات کی صورت میں تھا جو کچھ تو مکہ میں نازل ہوئیں اور کچھ یثرب یا مدینہ میں۔ پیغمبر اسلام کی زندگی میں زید بن ثابت وحی کے مرکزی کاتب تھے، پیغمبر اسلام وقتاً فوقتاً اسے اپنی وحی سناتے اور وہ اسے دستیاب چمڑوں، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھتے۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے بھی کچھ عرصہ تک وحی کی کتابت کی مگر وہ مرتد ہوگئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پیغمبر اسلام نہ صرف ان کے منہ سے ادا کیے ہوئے الفاظ کو وحی میں شامل کر دیتے تھے بلکہ وحی کی کتابت کے دوران جب وہ پیغمبر اسلام کو کچھ تبدیلیاں تجویز کرتے تو پیغمبر اسلام مان جاتے۔ یوں عبد اللہ ابی سرح کو کہنا پڑا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی تو وہ اس کی تبدیلیوں کی تجاویز کبھی نہ مانتے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علی بن ابی طالب قرآن کو جمع کرتے اور اپنے مخصوص صحیفوں میں اسے لکھتے تھے تاہم پیغمبر اسلام نے کبھی بھی اپنی زندگی میں قرآن کی جمع وتدوین کا حکم نہیں دیا

اور محض لوگوں کو یاد کروانے پر ہی اکتفا کیا۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد جمع قرآن کی ضرورت خود اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو اپنی زندگی میں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ان کے انتقال کے بعد جمع قرآن کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر انہیں اس بات کا اندازہ ہوتا تو وہ یقیناً اپنی زندگی میں یہ قدم ضرور اٹھاتے۔ در حقیقت اس زمانے میں خصوصاً عربوں کے ہاں لکھ کر محفوظ کرنے کا رواج نہیں تھا اور عرب اپنا ثقافتی ورثہ یاد کر لیا کرتے تھے، اور اسی طرح یہ ورثہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا۔ اس لیے پیغمبر اسلام کا بھی یہی اندازہ تھا کہ عربوں کے ثقافتی ورثہ کی طرح قرآن بھی محض "حافظ" کی بنیاد پر آئندہ نسلوں میں منتقل ہو جائے گا، لیکن بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ پیغمبر اسلام کا یہ "اعتماد" درست ثابت نہ ہوا۔ عربوں کے حالات تبدیل ہوگئے اور ابو بکر کے زمانے سے ہی "جمع قرآن" کی ضرورت پیش آنا شروع ہوگئی۔

ابو بکر کی خلافت میں عمر نے ابو بکر کو قرآن کو جمع کر کے کتابی شکل دینے کی تجویز پیش کی، کیونکہ پیغمبر اسلام کے ہمعصروں کی ایک بڑی تعداد جنہیں قرآن حفظ تھا، مختلف جنگوں میں ہلاک ہو چکے تھے، خاص طور سے مسیلمہ بن حبیب (جسے مسلمان نبوت کے بغض میں مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرتے ہیں) کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں جسے "معرکۃ الیمامۃ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے پیغمبر اسلام نے تو کبھی قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا ہی نہیں تھا، چنانچہ ابو بکر نے اس کی مخالفت کی اور موقف اختیار کیا کہ ایسا کام کیوں کیا جائے جسے "اللہ کے رسول" نے اپنی زندگی میں بقلم خود نہ کیا؟ تاہم عمر کی ضد کے سامنے ابو بکر کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ چنانچہ اس نے زید بن ثابت کو یہ بار ثقیل سونپا۔ زید سے منسوب ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے ابو بکر نے بلا کر کہا کہ عمر نے مجھ پر زور دیا ہے کہ میں قرآن کو جمع کروں مگر مجھے اس پر اعتراض تھا، کیونکہ رسول نے اسے اپنی زندگی میں جمع نہیں کیا اور اگر اس کو جمع کرنا ضروری اور اہم ہوتا تو وہ اس کو جمع کرنے کا حکم دیتے مگر چونکہ یمامہ کے واقعے میں نبی کے صحابہ کی ایک کثیر تعداد قتل ہو چکی ہے جن کے ساتھ ان کا حفظ کیا ہوا بھی ضائع ہو گیا ہے چنانچہ مجھ ڈر ہے کہ کہیں یہ سارا ہی ضائع نہ ہو جائے اس لیے میں نے عمر کی بات مان لی۔

ابو بکر نے قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری کچھ حضرات کو سونپی جن کی سربراہی زید بن ثابت کر رہے تھے جو اس وقت اپنے عین شباب پر تھے۔ جیسا کہ اسلامی رواج ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہوتا ہے، سیرت کے مصنفین

نے زید کی معاونت کرنے والے ان حضرات کے ناموں اور تعداد میں اختلاف کیاہے جو زید نے قرآن جمع کیا، اسے سورتوں کی شکل دی اور ابو بکر کے حوالے کر دیا۔ ابو بکر دو سال حکومت کر کے اپنے خالق غیر حقیقی سے جا ملے، ان کے انتقال کے بعد زید بن ثابت کا جمع کیا ہوا قرآن نئے خلیفہ عمر بن خطاب کی تحویل میں چلا گیا اور ان کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی اور پیغمبر اسلام کی بیوہ حفصہ بنت عمر کی تحویل میں چلا گیا۔

تاہم قرآن کب جمع کیا گیا، یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن کو جمع کرنے کے حوالے سے سب سے پہلی تحریر ابن سعد کے طبقات میں 844ء عیسوی کو ملتی ہے، پھر 870ء عیسوی کو بخاری اور 874ء عیسوی کو مسلم میں۔ اگر ہم 632ء عیسوی کو پیغمبر اسلام کی وفات کو مد نظر رکھیں تو اس تاریخ کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے جو دو سو سال سے بھی زیادہ عرصے بعد احاطۂ تحریر میں لائی گئی اور وہ بھی ساری کی ساری اسناد پر قائم ہے؛ یعنی ایک اصغر نے اکبر سے سنی اور اکبر نے زید سے اور زید نے غفران سے اور یوں چلتے چلے جایئے۔ اب چونکہ اس عرصے کی لکھی ہوئی کوئی تاریخ دستیاب نہیں، چنانچہ اسناد پر انحصار قاری کو مطمئن نہیں کر پاتا۔

* * * * * * * * * * * *

دوسرا باب

جیسا کہ ہم گذشتہ باب میں عرض کرچکے ہیں کہ ابو بکر اور زید بن ثابت شروع میں قرآن کی کتابت اور اس کے جمع کرنے سے عمر سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ میں یہ خیال صرف عمر ہی کا تھا کہ قرآن کو حفاظت کی غرض سے جمع کر لیا جائے۔ عثمان کو بھی اس کی حفاظت کی غرض سے دوبارہ مرتب کرنے کا کوئی ذاتی شوق نہ تھا، آپ نے محض اختلاف قرأت کو ختم کرنے کے لئے وہ بھی دوسروں کی توجہ دلانے پر کچھ سرکاری نسخے جاری کیے تھے۔

جہاں تک اُبی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور علی کا تعلق ہے تو ان حضرات کا بھی قرآن کو کسی اپنی ترتیب سے لکھ لینے کا خیال اپنے طور پر ذاتی شوق کی بنا پر ہی تھا، کسی حکم خداوندی یا ارشاد نبوی کی بنا پر نہیں تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اُبی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود جیسے محترم حضرات کے مصاحف کی موجودگی میں، جو رسول اللہ کی سند بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے، عمر کو جمع یا تحفّظ قرآن کی فکر کیوں دامن گیر ہوئی؟ جبکہ پیغمبر اسلام خود بھی اپنی زندگی میں مکمل قرآن کی کتابت کرا چکے تھے، اور وہ مدینے میں موجود بھی تھی۔ اگرچہ ہمیں قرآن وحدیث سے اس کی غرض وغایت کا کچھ علم نہیں ہو سکا کہ محمد وہ کتابت کس مقصد کے لئے کرایا کرتے تھے؟ اگر مقصد حفاظت تھی تو پھر اس کی موجودگی کے باوجود اسے بے اثر کس نے اور کیوں بنایا؟

کہتے ہیں کہ محمد پر نازل ہونے والی وحی کے مجموعہ کا ایک عرصہ تک کسی نے کوئی مستقل نام تجویز نہیں کیا تھا جسے معروف عام کہا جا سکے۔ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں لکھا ہے کہ مظفّری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد ابو بکر نے جب قرآن کو جمع کیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس کا کوئی نام رکھو۔ بعض لوگوں نے اس کا نام انجیل تجویز کیا، مگر اکثر نے اسے ناپسند کیا پھر کسی نے، سفَر نام رکھنے کی صلاح دی وہ بھی اس لیے ناپسند ہوئی کہ یہودی اپنی کتاب کا یہ نام رکھتے ہیں۔ آخر میں مسعود نے کہا؛"میں نے حبش کے ملک میں ایک کتاب دیکھی ہے جس کو لوگ مصحف کہتے ہیں، لہٰذا قرآن کا نام مصحف رکھ دیا گیا۔" اگر اللہ نے اس کا نام پہلے سے

قرآن تجویز کر دیا ہوتا تو لوگ ہر گز ایسی جستجو میں نہ پڑتے۔ نزول قرآن کے مکمل ہونے اور خلافت راشدہ کے قائم ہونے تک اس کتاب کا کوئی مستقل نام نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کی آیات سے اکثر یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ لفظ قرآن کہنے سے کس وقت کیا مطلب لیا گیا ہے، کیونکہ خود قرآن میں اس کتاب کو اکثر صفاتی ناموں سے ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے قرآن سے اس کتاب کے لیے اخذ کردہ ناموں کی ایک طویل فہرست مہّیا کی ہوئی ہے۔ صاحب اتقان نے ان کی تعداد ۵۵ بتائی ہے۔

قصہ مختصر، اس طرح پیغمبر اسلام کے بعد قرآن کریم کے دو نسخوں، یعنی عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب، کے علاوہ سب سے پہلا ابو بکر صدیق کا جمع کردہ نسخہ، اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کے عہد رسالت کے مکمل اور غیر مکمل بے شمار نسخے موجود تھے۔ ان سب کے بعد عثمان کے چھ مصاحف آتے ہیں جن کی آیات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کہتے ہیں کہ کوفی نسخے میں ۶۲۳۶، بصری نسخے میں ۶۲۱۶، شامی نسخے میں ۶۲۵۰، مکی نسخے میں ۶۲۱۲، مدنی نسخے میں ۶۲۱۴ جبکہ موجودہ نسخے میں ۶۶۶۶ آیاتِ مبارکہ ہیں۔ اس طرح کل تعداد آٹھ یا نو معروف نسخے تاریخ میں ملتے ہیں۔

قرآن کو جمع کرنے کے حوالے سے ایک اور روایت کہتی ہے کہ اسے اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان (684-704) نے حجاج بن یوسف کی مدد سے جمع کیا۔ روایت ہے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے کہا کہ: مجھے ماہ رمضان میں مرنے کا ڈر ہے، میں اسی میں پیدا ہوا، اور اسی میں میرا دودھ چھڑایا گیا، اور اسی میں میں نے قرآن جمع کیا، اور اسی میں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب ہوا۔ عبد الملک کے اس قصے کا ذکر ثعالبی اور جلال الدین السیوطی نے کیا ہے۔
معجم یاقوت میں درج ایک دلچسپ کہانی بھی اس اختلاف کو واضح کرتی ہے، کہتے ہیں: "اسماعیل بن علی الخطبی نے کتاب التاریخ میں بغداد کے شنبوذ نامی ایک شخص کا قصہ لکھا ہے جو عثمان کے مصحف سے مختلف قرات پڑھتا اور پڑھاتا تھا، وہ نہ صرف عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب و دیگر قراتوں میں قرآن پڑھتا تھا بلکہ دیگر قاریوں سے بحث کرتا اور ان پر غالب آجاتا، حتیٰ کہ اس کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔ 828 کو سلطان نے اسے بلوا بھیجا اور اسے وزیر محمد بن مقلہ کے گھر لایا گیا جس نے اس پر مقدمہ کرنے کے لیے قاضیوں اور قاریوں کو جمع کر رکھا تھا۔ شنبوذ نے جو کچھ وہ پڑھاتا تھا اس سے انکار نہیں کیا بلکہ اس کا دفاع کیا، وزیر نے اسے قائل کرنے کی

کوشش کی کہ وہ عثمان کے مصحف سے مختلف قراتیں پڑھنا چھوڑ دے مگر اس نے انکار کر دیا۔ حاضرین نے اسے سزا دینے پر اصرار کیا تاکہ وہ ان قراتوں سے باز آجائے۔ وزیر نے حکم دیا کہ اسے ننگا کر کے تب تک کوڑے مارے جائیں جب تک کہ وہ مان نہ جائے، پیٹھ پر دس کوڑے کھانے کے بعد وہ مان گیا۔ شیخ ابو محمد السرفی نے کہا کہ اس شمبوذ نامی شخص نے قرآن کی کئی قراتیں محفوظ کیں۔"

بہر حال، جب قراتوں اور مصاحف کے اس اختلاف کی بابت عثمان کو بتایا گیا تو وہ انتشار سے ڈر گئے اور جو کچھ جمع ہو سکتا تھا، اسے جمع کرنے کا حکم دیا بشمول ان صحیفوں کے جو پہلے اس کی خلافت کے آغاز میں جمع کیے گئے تھے؛ مگر انہوں نے جو کچھ علی کے پاس تھا جمع نہیں کیا۔ اُبی بن کعب مر چکے تھے اور ابن مسعود نے اپنا مصحف دینے سے انکار کر دیا تھا، تب عثمان نے زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عباس کو حکم دیا کہ وہ قرآن کو جمع کریں اور اس میں درستگی کرتے ہوئے مشتبہ تحریروں کو نکال دیں۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو بڑے خط میں چار نسخے لکھے گئے جو ایک مکہ، ایک مدینہ، ایک شام اور چوتھا نسخہ کوفہ بھیجا گیا۔

مکے والا نسخہ دو سو ہجری تک جب ابو سرایہ نے مکہ پر حملہ کیا وہیں تھا مگر پھر یہ نسخہ کھو گیا، خیال کیا جاتا ہے کہ اسے جلا دیا گیا۔ مدینے والا نسخہ یزید بن معاویہ کے دور میں گم ہو گیا، عثمان نے اپنے نسخے کے علاوہ باقی دیگر تمام نسخوں کو جلانے کا حکم دیا تھا مگر اس کے باوجود ادھر ادھر کچھ حصے موجود رہے۔ ابن مسعود نے اپنا نسخہ اپنے گھر پر محفوظ رکھا جو ان کی نسلوں میں وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔ یہی حال علی کے مصحف کا ہوا، پھر حجاج بن یوسف آیا اور تمام مصاحف کو جمع کر کے آگ لگا دی اور ایک نیا مصحف لکھا جس میں سے بہت سارے حصے حذف کر دیے جو عثمان کے مصحف میں موجود تھے جس میں امویوں کے متعلق کچھ آیات تھیں اور بنی امیہ کے کچھ لوگوں کے نام تھے۔

حجاج نے نئے قرآن کے چھ عدد نسخے مصر، شام، مدینہ، مکہ، کوفہ اور بصرہ بھجوائے۔ ابو بکر اور علی، اور عمر اور عثمان کے بیچ کی دشمنی کے بارے میں سب لوگ جانتے تھے، اس دشمنی کے نتیجے میں ہر کسی نے قرآن میں ایسی آیات شامل کیں جو اس کے موقف کو مضبوط اور دوسرے کے موقف کو کمزور کرتی تھیں اور ایسی آیات حذف کر دیں جن سے انہیں نقصان ہوتا۔ چنانچہ اصل اور اضافے میں کیسے تفریق کی جائے؟ ان حصوں کا کیا جنہیں حجاج بن یوسف نے حذف کر دیا؟

قرآن کے مختلف نسخوں کا آپس میں کافی اختلاف تھا، کسی میں کچھ آیات زیادہ تھیں اور کسی میں کم اور کسی میں آیات میں فرق تھا، مثلاً سورہ المائدہ آیت 89:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

طبری کہتا ہے کہ اُبی بن کعب اور عبد اللہ بن مسعود نے لفظ "ثلاثۃ ایام" کے بعد لفظ "متتالیۃ" (مسلسل) شامل کر دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام لوگوں کے سوال کرنے یا شکایت کرنے پر آیات بدل دیتے تھے، مثال کے طور پر بخاری کہتے ہیں کہ جب سورہ نساء کی آیت 95 نازل ہوئی، یعنی:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

تو ایک اندھے (ابن ام مکتوم) نے نبی سے یہ کہتے ہوئے شکایت کی کہ: میں اندھا ہوں اور جہاد نہیں کر سکوں گا، اس لیے اللہ مجھ پر مجاہدین کو فضیلت دے گا، تو آیت میں "غیر اولی الضرر" کا اضافہ کر دیا گیا اور آیت یوں ہو گئی:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت 228 نازل ہوئی

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

تو معاذ بن جبل نے کہا: اے اللہ کے رسول جو حیض سے مایوس ہو گئیں ان کی عدت کیا ہے؟ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور بولا: اے اللہ کے رسول جن کو کمسنی کی وجہ سے حیض ابھی نہیں آیا ان کی عدت کیا ہے؟ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول حاملہ عورتوں کی عدت کیا ہے؟ تو نازل ہوئی:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (122)

ان روایات کے تناظر میں یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ ایک ہی آیت قرآن کے مختلف نسخوں میں مختلف کیوں تھی، کسی لکھنے والے نے ویسے ہی لکھی جیسی کہ اس نے پہلے سنی مگر اس میں بعد میں کیا جانے والا اضافہ نہ سن سکا جبکہ کچھ دوسرے لوگوں نے یہ اضافہ شدہ آیت سن لی۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنی حالیہ شکل میں قرآن کب جمع کیا گیا اس پر کوئی اجماع نہیں ہے، اور جیسا کہ ہم نے دیکھا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی موت کے فوراً بعد علی نے اسے جمع کیا جبکہ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اسے زید بن ثابت نے ابو بکر کے دور میں جمع کیا اور اسے حفصہ بنتِ عمر کے ہاں رکھوایا جبکہ ایک تیسرا فریق کہتا ہے کہ عثمان نے زید بن ثابت کو یہ ذمہ داری سونپی، چوتھا فریق کہتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے حالیہ قرآن لکھا، یہ آخری قول اس لیے بھی زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اموی خلافت تک عربی تحریر کے حروف پر نہ تو نقطے ہوتے تھے اور نہ ہی ہمزہ اور تنوین موجود تھی، سیبویہ نے آکر ترقیم کی علامات داخل کیں۔

یہ سمجھنا بھی چنداں مشکل نہیں کہ نقطوں کی غیر موجودگی میں قرآن پڑھنے والے کو کس قدر کنفیوزن ہوتی ہوگی، کیونکہ ب، ت اور ث میں فرق کرنا اتنا آسان نہیں تھا، اسی طرح ط اور ظ، د اور ذ، س اور ش، ر اور ز میں فرق کرنا بھی انتہائی مشکل ہوتا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ حمزہ نامی ایک قاری سورہ بقرہ کی آیت 2 (ذلک الکتاب لا ریب فیہ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں) کو نقطے نہ ہونے کی وجہ سے "ذلک الکتاب لا زیت فیہ۔ اس کتاب میں کوئی تیل نہیں" پڑھتا تھا۔ چنانچہ اس کا نام "حمزہ الزیات" (حمزہ تیل والا) پڑ گیا۔ اسی وجہ سے قرآن قاریوں کے ذریعے زبانی پڑھایا جاتا تھا تاکہ بغیر نقطوں کے تحریری الفاظ میں مکسنگ اور غلط فہمیوں سے بچا جاسکے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا کیونکہ ہر شخص اپنے استاد کی تعلیم کے مطابق پڑھتا تھا اور استاد کے پڑھائے ہوئے کی تصدیق ناممکن تھی کیونکہ لکھے ہوئے قرآن کے الفاظ پر نقطے نہیں تھے اور بغیر نقطوں کے الفاظ یقیناً قابل تاویل ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ فرقان کی آیت 48:

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا؛ کو بعض روایات میں "وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ نُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ" پڑھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لفظ "بشرا" اور "نشرا" میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہی وجہ ہے احمد بن موسی بن مجاہد نے نو مختلف قراتیں شمار کیں۔ بخاری کہتا ہے: "عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ نبی کریم کی زندگی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ الفرقان نماز میں پڑھتے سنا، میں نے ان کی قرات کو غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ سورۃ میں ایسے حروف پڑھ رہے ہیں کہ مجھے اس طرح آنحضرت نے نہیں پڑھایا تھا، قریب تھا کہ میں ان کا سر نماز میں ہی پکڑ لیتا لیکن میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا، اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی چادر سے ان کی گردن باندھ کر پوچھا یہ سورت جو میں نے تمہیں ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے تمہیں کس نے اس طرح پڑھائی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے مجھے اسی طرح پڑھائی ہے، میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو خود حضور اکرم نے مجھے اس سے مختلف دوسرے حرفوں سے پڑھائی جس طرح تم پڑھ رہے تھے، آخر میں انہیں کھینچتا ہوا آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اس شخص سے سورۃ الفرقان ایسی حرفوں میں پڑھتے سنی جس کی آپ نے مجھے تعلیم نہیں دی ہے۔ آپ نے فرمایا؛ عمر تم پہلے انہیں چھوڑ دو اور اے ہشام تم پڑھ کے سناؤ، انہوں نے آنحضرت کے سامنے بھی انہی حرفوں میں پڑھا جن میں میں نے انہیں نماز میں پڑھتے سنا تھا۔ آنحضرت نے سن کر فرمایا کہ یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا عمر اب تم پڑھ کر سناؤ، میں نے اس طرح پڑھا جس طرح آں حضرت نے مجھے تعلیم دی تھی، آں حضرت نے اسے بھی سن کر فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوئی ہے، یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس تمہیں جس طرح آسانی ہو پڑھو۔ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔ حدیث نمبر 4992)۔

یہاں اظہر من الشمس ہے کہ خود پیغمبر اسلام کو یادداشت دھوکہ دے جاتی تھی اور وہ خود ہی آیات کو یادداشت کے مطابق وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے تھے۔ اس حدیث کی ہی مثال لے لیں کہ پہلے ہشام نے پیغمبر اسلام سے سورہ فرقان ایک خاص قرات میں سنی اور یاد کی، پھر کسی اور وقت میں عمر آئے اور پیغمبر اسلام سے وہی سورت ایک قطعی مختلف قرات میں سنی، یعنی خود پیغمبر اسلام کے دور میں اور اسی کی رضامندی سے قرآن مختلف قراتوں میں پڑھا جاتا تھا؛ ایسے میں ان کے مرنے کے بعد کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ قرآن حجاج کے دور تک مختلف

قراتوں میں پڑھا جاتا رہا تا آنکہ حجاج نے مُرقم مصحف تحریر کیا اور علمائے اسلام نے محمد کے بتائے ہوئے سات حروف پر اتفاق کر لیا۔

اگر یہ درست ہے کہ ابو بکر نے زید بن ثابت، اُبی بن کعب، معاذ بن جبل اور ابازید کو قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی اور وہ جمع بھی کیا گیا اور حفصہ بنت عمر کے پاس محفوظ بھی کیا گیا تو پھر عثمان نے ایک بار پھر کیوں زید بن ثابت کو قرآن جمع کرنے پر مامور کیا؟ عثمان نے حفصہ کے ہاں محفوظ نسخہ لے کر اسے ہر طرف ارسال کیوں نہ کیا؟ جبکہ اسے علم بھی تھا کہ حفصہ کے پاس ابو بکر کے دور کا زید ہی کا جمع کیا ہوا قرآن کا نسخہ موجود ہے، کیونکہ اس نے حفصہ سے یہ نسخہ طلب بھی کیا تھا؟ اور پھر جب عثمان نے زید کو قرآن جمع کرنے پر مامور کیا تو زید نے اپنے ہی ہاتھوں ابو بکر کے دور میں جمع کیا ہوا قرآن لے کر عثمان کو کیوں پیش نہیں کیا؟ کیا ہوا کام دوبارہ کیوں کیا؟ دوسری بار قرآن کو جمع کرنے میں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا سالوں تک وقت کیوں برباد کیا؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو بکر کے دور میں جمع کیا ہوا قرآن نامکمل تھا؟ کیا اس میں جعلی آیات تھیں؟

ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا تو عثمان کے دور میں جمع کیا ہوا زید کا قرآن اس قرآن سے مختلف تھا جو اس نے ابو بکر کے دور میں جمع کیا تھا، جس سے بجا طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام تر دستیاب نسخوں میں اختلاف تھا یا پھر زید نے ابو بکر کے دور میں قرآن جمع ہی نہیں کیا تھا جس سے نہ صرف احادیث کے اسناد کے تمام مسائل مشکوک ہو جاتے ہیں بلکہ تمام صحیح حدیثیں بھی مشکوک ٹھہرتی ہیں، کیونکہ ابو بکر کے دور میں قرآن جمع کرنے کے قصے کی سند اتنی قوی ہے کہ اس پر کبھی شک نہیں کیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ سالوں میں جمع کیے گئے قرآن کے مختلف نسخوں میں کثیر اختلاف پایا جاتا تھا۔ 154 ہجری کو پیدا ہونے والے ابو عبید القاسم بن سلام جس نے کوفہ اور بصرہ کے بڑے بڑے اساتذہ سے تلمذ کیا اور بغداد کے مشہور ترین معلم، لغت دان اور قاضی ہوئے نے اپنی کتاب "فضائل القرآن" میں کہا ہے کہ: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے ایوب اور انہوں نے نافع اور انہوں نے ابن عمر سے کہ انہوں نے کہا: کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے سارا قرآن حاصل کیا ہے، اور اسے کیا پتہ کہ اس کا سارا کیا ہے، اس میں سے بہت سارا قرآن ضائع ہو گیا، بلکہ اسے کہنا چاہیے: میں نے اس سے (قرآن سے) وہی کچھ لیا ہے جو ظاہر ہوا ہے (یعنی جو بچ گیا ہے)۔

مزید کہا کہ: ہمیں ابن ابی مریم نے ابن الہیعہ سے اور انہوں نے ابی الاسود سے اور انہوں نے عروۃ بن الزبیر سے اور انہوں نے عائشہ سے کہ اس نے کہا: رسول اللہ کے دنوں میں سورۃ الاحزاب پڑھی جاتی تھی اور اس میں دو سو آیتیں ہوتی تھیں مگر جب عثمان نے قرآن جمع کیا تو اس سے زیادہ جمع نہ کر پایا جتنا کہ اس میں اب ہے۔

زیر بن حُبیش سے مزید روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: اُبی بن کعب نے مجھ سے کہا: اے زیر تم نے سورۃ الاحزاب میں کتنی آیات شمار کیں اور پڑھیں؟ میں نے کہا: بہتر یا تہتر، اس نے کہا: یہ طوالت میں سورۃ بقرۃ جتنی تھی اور ہم اس میں رجم کی آیت بھی پڑھا کرتے تھے، تو میں نے اس سے کہا: رجم کی آیت کیا ہے؟ اس نے کہا: "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموہما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم" اور یہ آیت ضائع ہونے والی آیات میں ضائع ہو گئی۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن صالح نے لیث سے اور انہوں نے خالد بن یزید سے اور انہوں نے صائب بن ابی ہلال اور انہوں نے ابی امامۃ عثمان بن سہل اور انہوں نے خدیجہ سے روایت کیا کہ خدیجہ نے کہا: "رسول اللہ ہمیں رجم کی آیت پڑھ کر سنایا کرتے تھے"۔ اور ابن کثیر نے عتبۃ بن مسعود سے ذکر کیا کہ ابن عباس نے اسے بتایا کہ عمر بن الخطاب مجلس میں کھڑا ہوا اور اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا: "اے لوگو اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پر بھیجا اور اس پر کتاب نازل کی، اس پر جو نازل ہوا تھا اس میں رجم کی آیت بھی تھی، تو ہم نے اسے پڑھا اور سمجھا اور مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر طویل وقت گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے کہ واللہ ہمیں اللہ کی کتاب میں رجم نہیں ملتا اور اس طرح وہ اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ایک فرض چھوڑ کر بھٹک جائیں، اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں ایسا اضافہ کر دیا جو اس میں نہیں تھا تو میں اسے قرآن میں وہیں شامل کر دیتا جیسے کہ یہ اتری تھی۔"

اور عبد الغفار بن داود نے لحی سے اور اس نے علی بن دینار سے روایت کیا کہ عمر بن الخطاب ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو ایک مصحف میں پڑھ رہا تھا، اس نے پڑھا: "النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وہو ابوہم" (سورۃ احزاب آیت 6)، تو عمر نے اس سے کہا: جب تک اُبی بن کعب نہ آجائے تم مجھے چھوڑ کر مت جانا، اور جب اُبی آگئے تو عمر نے اس سے کہا: اے اُبی یہ آیت پڑھ کر سناؤ؟ تو اُبی نے یہ آیت بغیر "وہو ابوہم" کے پڑھی

اور عمر سے کہا: یہ ان چیزوں میں سے ہے جو ساقط ہو گئیں۔ ایسی ہی روایت معاویہ اور مجاہد اور عکرمہ اور الحسن سے بھی مروی ہے۔

تفسیر القرطبی کے مطابق اُبی کے مصحف میں یہی آیت یوں ہے: "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امہاتھم وہو اب لھم"، جب کہ ابن عباس کی قرات ہے: "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وہو اب لھم وازواجہ امہاتھم"۔ یہاں الفاظ کی ترتیب میں اختلاف واضح ہے جو سمجھ میں آنے والی بات ہے کیونکہ قرآن بغیر کسی ایسی کتاب کے جس سے رجوع کیا جائے، ایک طویل عرصے تک محض زبانی یاد کیا جاتا رہا، انسان کی یادداشت چاہے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو اسے دھوکہ دے ہی جاتی ہے۔

ابو عبید نے کہا کہ ہمیں ابن ابی مریم نے ابن الھیعۃ سے اور انہوں نے یزید بن عمرو المغافری سے اور انہوں نے ابی سفیان الکلاعی سے روایت کیا کہ مسلمۃ بن مخلد الانصاری نے انہیں ایک دن کہا: مجھے قرآن کی ایسی دو آیتیں بتاؤ جو مصحف میں نہیں لکھی گئیں تو انہوں نے اسے نہیں بتایا، ان کے ہاں ابو الکنود سعد بن مالک موجود تھا تو ابو مسلمۃ نے کہا: "ان الذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم الا ابشروا وانتم المفلحون" اور "الذین آووہم ونصروہم وجادلوا عنہم القوم الذین غضب اللہ علیہم اولئک لا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔" غور کیجیے کہ یہاں ابو عبید یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ دو آیتیں مصحف سے ساقط ہو گئیں جبکہ اسے زبانی یاد تھیں۔

ابو عبید مزید کہتے ہیں کہ: "یہ آیات جن کا ہم نے ان صفحات میں ذکر کیا ہے زائد چیزوں میں سے ہیں جنہیں علماء نے نہیں لیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ یہ جو کچھ کتاب میں موجود ہے اس سے شباہت رکھتے ہیں مگر وہ انہیں نماز میں پڑھا کرتے تھے، اسی لیے انہوں نے ان زائد حروف کے انکار کرنے والوں کو کافر قرار نہیں دیا کیونکہ ان کی نظر میں کافر وہ ہے جو اس کا انکار کرے جو کتاب میں ہے۔"

کچھ ایسی آیات بھی ہیں جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وحی کے طور پر نازل ہوئیں، کچھ عرصہ پڑھی جاتی رہیں پھر غائب ہو گئیں۔ محمد بن مرزوق ایسی ہی ایک آیت کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے: "ہمیں عمرو بن یونس نے عکرمہ سے روایت کیا کہا: ہمیں اسحاق بن طلحہ نے بتایا کہ مجھے انس بن مالک نے نبی کے ان صحابہ کے بارے میں بتایا جنہیں انہوں

نے بئر معونہ کے لوگوں کے لیے بھیجا، کہا: نبی نے چالیس یا ستر آدمی بئر معونہ بھیجے، اس کنویں پر عامر بن الطفیل الجعفری تھا، رسول کے صحابہ چل پڑے اور پانی کے پاس واقع ایک غار تک پہنچے اور اسی میں بیٹھ گئے، پھر ابن ملحان الانصاری بئر معونہ کے لوگوں کو رسول اللہ کا پیغام دینے نکلے تو ایک گھر سے ایک آدمی تیر کے ساتھ نکلا اور اس تیر سے اسے اس طرح مارا کہ تیر اس کے آر پار نکل گیا اور کہا: اللہ اکبر کعبے کے رب کی قسم میں جیت گیا، اور واپس اپنے اصحاب کی طرف پلٹ گیا تو انہوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے دوستوں کو غار میں جا ملے اور سب کو قتل کر دیا، تو اللہ نے ان پر قرآن نازل کیا 'بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنہ'، پھر یہ آیت منسوخ ہوگئی اور کتاب سے اٹھالی گئی جبکہ ہم نے اسے زمانوں تک پڑھا تھا اور اللہ نے اس کی جگہ یہ آیت اتاری: 'ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربہم یرزقون۔"

ایسی سورتیں بھی موجود ہیں جنہیں پڑھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں بعد میں کچھ اضافے کیے گئے؛ چاہے یہ اضافے تب کیے گئے جب زید بن ثابت نے قرآن جمع کیا یا بعد میں، تاہم اس بابت کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن اہم بات یہ ہے کہ ایسی سورتیں یہ واضح کرتی ہیں کہ قرآن اس طرح نہیں لکھا گیا جس طرح کہ پیغمبر اسلام نے اپنے اصحاب کو پڑھ کر سنایا تھا؛ مثال کے طور پر سورۃ المدثر "ر" پر مسجوع چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہے مگر اس کے وسط میں آیت نمبر 31 سورت کی باقی تمام تر آیات کی طوالت سے میل نہیں کھاتی، اگرچہ سجع سے مطابقت رکھتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (24)

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (25)

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (26)

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ (27)

لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (28)

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (29)

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (30)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (31)

كَلَّا وَالْقَمَرِ (32)

وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (33)

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (34)

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ (35)

یہ انتہائی واضح ہے کہ آیت نمبر 31 باقی آیات سے کسی طور میل نہیں کھاتی اور یہ بعد میں کسی وقت اس جگہ پر فِٹ کی گئی ہے جو واضح دلیل ہے کہ قرآن میں ایسی آیات داخل کی گئی ہیں جو اصل میں سورتوں کا حصہ تھیں ہی نہیں اور کچھ دیگر آیات حذف کر دی گئیں، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں میں موجود قرآن حرف بہ حرف وہ قرآن نہیں ہے جو پیغمبر اسلام نے کہا تھا۔

یہ امر بھی واضح ہے کہ قرآن وحی کے تمام عرصہ تک لوگوں میں زبانی کلامی ہی منتقل ہوتا رہا جو کہ 23 سال بنتے ہیں، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن کو عثمان کے دور میں جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دی گئی تو محمد کے دعوائے نبوت سے لے کر عثمان کے دور تک تقریباً چالیس سال بنتے ہیں اور اگر 95 ہجری کو اموی دور میں حجاج بن یوسف نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا اور قرآن کو وہ شکل دی جس میں یہ آج دستیاب ہے تو کیا یہ قرین عقل ہے کہ اتنی ساری متشابہ آیات اتنے طویل عرصے تک لوگوں کے ذہنوں میں بغیر کسی نسیان اور ملاوٹ کا شکار ہوئے محفوظ رہیں؟ شاید یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ انسان کی یادداشت پر اتنے طویل عرصے تک بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جب خلیفہ المنصور کا علویوں میں سے کسی کے ساتھ اختلاف ہوا اور اس نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ چچا کو باپ یعنی

"اب" کہا جاسکتا ہے تو اس نے سورۃ یوسف کی آیت 38 استدلال کے طور پر پیش کی مگر کہا: "واتبعت ملۃ آبائی ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب" مگر موجودہ قرآن میں یہ درج ہے "واتبعت ملۃ آبائی ابراہیم واسحاق ویعقوب" یعنی اسماعیل کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ منصور کی مراد سورۃ بقرہ کی آیت 133 تھی: "ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الہک والہ آبائک ابراہیم واسماعیل واسحاق۔" یہ آیت منصور کے قول کو ثابت کرتی ہے کیونکہ یعقوب کا باپ اسحق تھا مگر یعقوب کے بیٹوں نے اس سے کہا کہ ہم تمہارے آباء کے خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے چچا اسماعیل کا ذکر اس کے باپ سے پہلے کیا۔

تعجب خیز امر یہ ہے کہ مبرد اور ابن خلدون جنہوں نے یہ قصہ نقل کیا ہے اور مذکورہ آیات پیش کیں، سورۃ یوسف کی آیت 38 کی اس غلطی کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی، البتہ طبری کی توجہ اس طرف گئی مگر اس نے سورۃ بقرہ کی مقصود آیت کا ذکر نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یادداشت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے قرآن میں اتنی تکرار ملتی ہے کیونکہ قرآن کو موجودہ شکل دینے سے قبل مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ تک صرف اپنی یادداشت پر انحصار کرنے کی کوشش کی۔

****

تیسرا باب

گذشتہ باب میں قرآن کے "ذکر محفوظ" ہونے کے دعوے کی قلعی کھولی جاچکی ہے اور تفصیلاً بتایا جاچکا ہے کہ امتداد زمانہ نے کس طرح اسے آلودہ کیا ہے۔ محمد اور ان کے صحابہ کے جمع کردہ مصاحف کی موجودگی کے باوجود بھی، جنگ یمامہ میں حفّاظ کی ایک بڑی تعداد کے شہید ہو جانے پر قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان تحریر کردہ مصاحف کے علاوہ بہت سی غیر تحریر شدہ آیات ابھی بھی باقی تھیں، جو ان حفّاظ کے قتل کے ساتھ ہی ضائع ہوچکی تھیں، ورنہ عمر فاروق یہ جملہ ہرگز نہ فرماتے کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ دوسری جنگوں میں بھی حفّاظ کی شہادت کا یہ سلسلہ اگر اسی طرح کچھ دن اور جاری رہا تو قرآن کریم کا اور بھی بیشتر حصّہ ان کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا اور ہم اس سے (بھی اس کی طرح) ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے۔" یقیناً یمامہ کی جنگ میں قتل ہونے والے صحابہ کے ساتھ قرآن کا کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور ایسا ہو گا جو خلافت راشدہ کے دور میں، اول جمع القرآن والے مصحف میں لکھا نہ جاسکا ہو۔

اگر ہم کسی شے کے بارے میں یہ دعویٰ کریں کہ یہ ہمیشہ محفوظ رہے گی تو اس اصلی شے کو ہی ہمیشہ محفوظ رہنا چاہیے نہ کہ اس کی نقل در نقل کو۔ مثلاً تاج محل کا معمار اپنے بنائے ہوئے تاج محل کے بارے میں اگر یہ دعویٰ کرتا کہ یہ اب تا قیامت آج کی طرح ہمیشہ ہمیشہ محفوظ اور قائم رہے گا، لیکن وہ امتداد زمانہ، غفلت یا کسی حادثے کی بنا پر محفوظ نہ رہ سکے اور پھر ہم اس کی ہو بہو بلکہ اصل سے بھی بہتر نقل تیار کر لیتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اس معمار کے دعویٰ کی سچائی ہے تو کیا یہ درست ہو گا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ حمورابی کے قوانین آج بھی اپنی اصل حالت میں جوں کے توں محفوظ ہیں، اگرچہ اس نے ایسا کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا تھا۔

سعید احمد راقب نے اپنی دلچسپ کتاب "غیر عرب دنیا اور عربی قرآن" میں شامل جمع القرآن کے تعلق سے ایک محققانہ مضمون میں آگے کے تاریخی سفر کا بڑی خوب صورتی سے تجزیہ کیا ہے، ہم اس باب میں اس مضمون سے استفادہ کرنے والے ہیں۔

آگے کے سفر کا تسلسل بر قرار رکھنے کے لیے ہم "ریورس گیئر" ڈالتے ہیں اور اک ذرا سا پیچھے پلٹتے ہیں۔ بخاری، ترمذی، نسائی، ابن شہاب بس یہاں تک کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ وہ صحیفے جن کو ابو بکر نے زید بن ثابت سے جمع کرایا تھا، ابو بکر کے بعد عمر کو ملے اور عمر کے بعد حفصہ بنتِ عمر کے پاس چلے آئے اور اُنہیں کے پاس برابر رہے، یہاں تک کہ عثمان کو جب نقل مصحف کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان صحیفوں کو حفصہ کے پاس سے انہوں نے مستعار منگوا کر اور ان کی متعدد نقلیں کرا لینے کے بعد پھر ان صحیفوں کو حفصہ کے پاس ہی واپس کر دیا۔ سوال اٹھتا ہے کہ پھر وہ صحیفے حفصہ کے بعد کیا ہو گئے ؟ آسمان پر اٹھا لئے گئے یا زمین ان کو نگل گئی ؟ نہ زید بن ثابت نے اس کو عبید بن السباق سے کہا، نہ عبید نے زید سے پوچھا، عبید ابن شہاب سے کہا، نہ ابن شہاب نے اپنے شاگردوں سے کہا، نہ ان میں سے کسی نے ابن شہاب سے، یہاں تک کہ امام بخاری کو بھی اپنے شیوخ سے اس کے پوچھنے کی ضرورت مطلق محسوس نہ ہوئی۔ علامہ تمنّا عمادی رواہ ابن ابی داؤد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"حضرت حفصہ کے صحیفوں کا حال ابن شہاب زہری جانتے تھے۔ یعنی زہری کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبد اللہ نے خبر دی کہ مروان (بن الحکم بن ابی العاص) حضرت حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کرتے تھے اُن صحیفوں کو مانگنے کے لیے، تو حضرت حفصہ ان کو دینے سے انکار کرتی تھیں، تو جب حضرت حفصہ وفات پا گئیں اور ہم ان کے دفن سے واپس آئے تو مروان نے پورے ارادے کے ساتھ عبد اللہ بن عمر کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ ان صحیفوں کو ان کے پاس بھیج دیں تو وہ صحیفے بھیج دئے گئے، تو مروان نے اس کو پرزے پرزے کر دینے کا حکم کیا اور کہا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ لکھا جا چکا اور مصحف محفوظ ہو چکا۔ تو میں ڈرا کہ لوگوں پر زمانہ جب دراز ہو جائے گا تو کوئی شکی مزاج اس مصحف کی شان میں (جو لوگوں کے پاس ہے) شک نہ کرنے لگے یا کہے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز تھی جو نہیں لکھی گئی۔"

برسبیل تذکرہ یہاں یہ بتادینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ وہی مروان ہے جسے محمد نے منافقت اور جاسوسی کے الزام میں جلاوطن کر دیا تھا اور ان کے بعد دونوں خلفانے اپنے دور حکومت میں اس سزا کو قائم رکھا تھا۔ مروان تیسرے خلیفہ عثمان کا چچیرا بھائی اور داماد تھا۔ (جزیرۃ العرب، ص107، از پروفیسر محمود بریلوی)

بہر حال، محمد کی اپنی نگرانی میں ایک مکمل اور شاید باقی متفرق اجزا پر لکھی ہوئی آیات کا ذخیرہ جن کے بارے میں تاریخ اسلام ہمیشہ سے مجرمانہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے، اس کے علاوہ عثمان کے باقی چار یا پانچ مصاحف جو مدینہ کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھیجے گئے تھے؛ ان کا کیا حال ہوا؟ نیز حجاج بن یوسف نے جس قرآن پر کچھ نقطے اور علامتیں لگوائی تھیں وہ اصل قرآن کہاں غائب ہو گیا، اس کا بھی ذکر تاریخ کی کتابوں میں ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ ان کے بعد خلیل بن احمد المتوفی ۱۷۰ ھجری نے حجاج کے بعد جو بالکل ہی نئی اور مروجہ اصلاحات رائج کیں، اس اصل کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اب صرف ایک نسخہ جسے حضرت عثمان غنی کی شہادت کے وقت آپ کے زیر مطالعہ ہونا بتایا جاتا ہے، اس کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہو سکی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ترکی کے عجاب گھر میں جو مصحف محفوظ ہے، وہ کس صوبے کا ہے، اور کیا وہ بالکل محفوظ اور مکمل بھی ہے؟ بہر حال عثمان کے قتل کے وقت زیر مطالعہ مصحف پر اکثر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اس وقت پوری طرح محفوظ نہیں ہے۔

روزنامہ "امت کراچی" میں ایک مضمون "مسلمانوں کی بے خبری، قرآنی مخطوطات کی نیلامی" چھپا تھا جس میں لکھا تھا کہ لندن میں نوادرات نیلام کرنے والے مشہور ادارے کرسٹی (Christe) کے ایک ترجمان نے تصدیق کی ہے کہ فروخت میں رکھے جانے والے قرآن کے اوراق شاید اسی نسخے کا حصّہ تھے جو تیسرے خلیفہ عثمان کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ کرسٹی کی ترجمان خاتون وکٹوریہ کوڈ، کا کہنا ہے کہ ہمارے ادارے نے جو اوراق فروخت کیے تھے، شاید وہ اسی مصحف سے لیے گئے تھے جو عثمان کے زمانے (646ء-656ء) میں موجود تھا اور جس پر خون کے نشانات تھے۔ عثمان کا قرآن جس کے کل 706 صفحات تھے، اب چودہ سو سال میں آدھا رہ گیا ہے۔ 1992ء میں ازبکستان کے اسلامی امور کے ادارے نے اس نسخے سے پندرہ اوراق چوری کرنے کے الزام میں ایک نوجوان کو گرفتار کیا تھا، لیکن اُن گم شدہ مقدس صفحات کا سراغ نہیں مل سکا۔

لندن کے اس نیلام گھر کا کہنا ہے کہ جو اوراق اس نے فروخت کیے ہیں، ان کا تعلق (کم سے کم) 1992ء میں چوری کیے جانے والے صفحات سے نہیں تھا۔

برطانیہ میں ازبکستان حکومت کے ایک ترجمان نے کرسٹی کے موقف کی تائید میں کہا ہے کہ فروخت کیے جانے والے صفحات کے نمبر چوری ہونے والے اوراق سے مختلف تھے۔ تاہم برطانیہ کے اسلامی اسکالرز نے ازبکستان میں ان اوراق کی گمشدگی اور لندن میں فروخت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان تمام افراد سے اپیل کی ہے جن کے پاس اس عثمانی مصحف کے اوراق ہیں، وہ انہیں واپس کر دیں۔

بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں عثمان کے مرتب کردہ دو قرآن تھے۔ ایک مدینہ کے مسلمانوں کے لئے اور ایک عثمان کا ذاتی، جس کے بارے میں علامہ محمد زاہد الکوثری (متوفّٰی 1371ھ) فرماتے ہیں:

"جہاں تک حضرت عثمانؓ کے مصحف خصوصی کا تعلق ہے جو انہوں نے اپنے لیے رکھا تھا، جو ابو عبید نے کسی لائبریری میں دیکھا تھا جیسا کہ "العقیلۃ" اور اس کی شرح میں ہے، تو ممکن ہے کہ یہ وہی مصحف ہو جس کا ذکر علامہ مقریزی (1334ء۔1442ء) نے "الخطط المقریزیہ" میں جامع عمرو کے مصحف اسماء کے ضمن میں کیا، یہ وہی نسخہ ہے جس کے بارے میں عبد العزیز بن مروان نے اعلان کیا تھا کہ جو اس میں غلطی نکالے گا، اسے بڑا انعام دیا جائے گا اور نتیجتاً کوفہ کے ایک قاری نے "نعجۃ" (ص:23) کے بجائے "نجعۃ" کی ایک غلطی نکالی تو اسے وہ انعام مل گیا۔ پھر وہ مصحف دیگر آثار نبویہ کے ساتھ ملکِ غور کے قبہ کو منتقل کیا گیا اور بعد میں وہیں یہ آثار قدیمہ مشہد میں منتقل ہوئے۔" (وثوق سے تو نہیں، لیکن خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ اب بھی وہیں ہو)

اب آیئے، ذرا خون آلود مصحف عثمانی کے ڈرامے کا ڈراپ سین بھی دیکھ لیتے ہیں۔ درج ذیل تصویر اسی خون آلود مصحف عثمانی کی بتائی جاتی ہے:
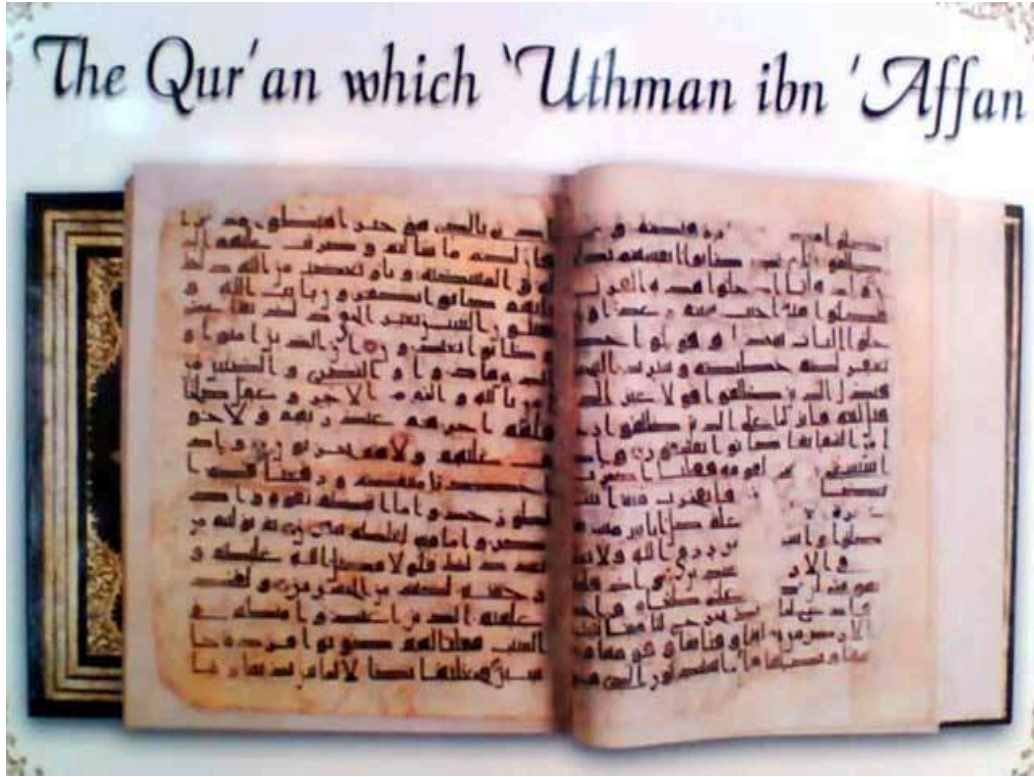
علامہ شیخ نجیت نے "الکلمات الحسان" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"بہت سے فریب کار بڑی جسارت سے بعض قدیم مصاحف کو خون آلود کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہی مصحف ہے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت اُن کے پاس تھا۔ اس قسم کے کئی خون آلود مصاحف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن فریب کاروں سے انتقام لیں گے۔"

مصحف عثمانی (مدینہ) کے بارے میں شاطبی (وفات 790ء) اپنے قصیدہ رائیہ میں فرماتے ہیں:

"امام مالک نے فرمایا کہ قرآن کو طرز اول پر (غالباً ترتیب نزول کے مطابق) لکھا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قطع و برید نہ کی جائے (یعنی نسخ) اس لیے کہ مصحف امام غائب ہو گیا ہے اور ہم کو مشائخوں سے اس کی خبر ملی ہے۔ (اگرچہ) ابو عبید نے کہا کہ بعض امراء نے اپنے خزانے سے مصحف میری زیارت کے لیے منگایا اور میں نے اس پر خون کا اثر دیکھا۔

"ولد نحاس نے امام مالک کی اس روایت کو رد کیا کہ مصحف ضائع ہو گیا ہے مگر اہلِ انصاف نے ولد نحاس کی تردید کی کہ امام مالک نے ضائع ہونا نہیں فرمایا، بلکہ کہا کہ (مدینہ سے) غائب ہو گیا ہے۔ اور جو چیز موجود ہو اس کا جلد یا بدیر مل جانا متوقع ہوتا ہے۔"

امام مالک نے 179 ہجری میں وفات پائی۔ ابن ابی حاتم، نافع بن ابی نعیم سے جن کی وفات 169 ہجری میں ہوئی، روایت کی ہے کہ مصحف امام ایک خلیفہ کی زیارت کے لئے لایا گیا تھا اور میں نے بچشم خود آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللہ (2:137) پر خون کا اثر معائنہ کیا۔

محمد عبد الغفور فاروقی فرماتے ہیں؛ "اس روایت سے مصحف کی موجودگی، زمانہ حیات نافع بن ابی نعیم ثابت ہوتی ہے۔ پھر حافظ ابو عمر نے مقنع میں اسناد کے ساتھ روایت کی کہ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہ میرے لیے بعض خزائنِ امراء سے مصحف امام عثمان بن عفان کا نکالا گیا اور میں نے اس میں (حضرت عثمان کے) خون کا اثر موجود دیکھا۔" ابن حجر نے ابو عبید قاسم کو فاضل ثقہ مصنف لکھا ہے اور ان کی وفات 324 ہجری بتائی۔ ابن بطوطہ نے ایسے ہی کسی مصحف کو 1326ء میں بصرہ میں بھی دیکھا تھا۔

عبد الغفور فاروقی فرماتے ہیں کہ "پس معتمد روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری یا چوتھی صدی ہجری میں یہ مصحف محفوظ تھا، اگرچہ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس ملک اور کس شہر میں تھا۔ محمد بن جبیر اندلسی کے سفر نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے 579ھ میں حرم مکہ معظّمہ کے اندر ایک قرآن کی زیارت کی تھی جو منجملہ خلفائے اربعہ کسی خلیفہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس پر زید بن ثابت کے ہاتھ کا سن بھی تحریر تھا، وہ لمبے چوڑے ورقوں پر لکھا اور لکڑی کی دفتین سے مجلد تھا جس پر برنجی قبضے لگے تھے۔ لیکن اس وقت بھی بہت ورق ضائع ہو چکے تھے، غالباً یہ وہی مصحف رہا ہو جو شام کو بھیجا گیا تھا۔ افسوس ہے کہ پچھلے مسلمانوں کے ہاتھوں ایسے آثار برباد ہوئے جن کی عزت اسلامی نگاہوں میں تاج قیصر اور کسریٰ سے بھی زیادہ ہونی چاہیے تھی۔"

ان کے علاوہ جو سب سے اعلیٰ و ارفع ذخیرہ مختلف اشیاء پر مصاحف کی صورت میں خود محمد کی خاص نگرانی میں ایک عرصہ دراز سے جمع ہو رہے تھے، جو کوفی خط کی ایجاد سے پہلے تحریر میں آئے۔ اس کے بارے میں عبد الصمد صارم الازہری لکھتے ہیں:

"مکہ میں بنی ہاشم میں 'خطِ قیر اموز' رائج تھا، اس لیے مکہ میں (قرآن کی) جس قدر کتابت ہوئی وہ اسی خط میں ہوئی، مدینہ میں جو کتابت ہوئی وہ خطِ حیری میں ہوئی 160 ھ سے خطِ کوفی میں کتابت ہونے لگی۔ (اس لیے مصاحفِ عثمانی کی کتابت بھی خطِ حیری میں ہی ہونی چاہیے) اور 318 ھ میں خطِ نسخ میں کتابت ہونے لگی، اور اس پر ہی اجماعِ امّت ہو گیا۔ اب اس کے خلاف جائز نہیں۔" آپ ہی لکھتے ہیں، وزیر ابن مقلّہ 338ھ نے خطِ کوفی میں اصلاح کر کے خطِ نسخ ایجاد کیا جو آج تک رائج ہے۔

خطِ قیر اموز اور خطِ حیری میں جس قدر کتابت محمد نے کرائی تھی جس میں وہ تمام منسوخ ذخیرہ آیات بھی موجود ہو گا، جو بوجہ منسوخ ہو جانے کے جمع اول ابو بکر کے مصحف میں نہیں لکھا گیا تھا، اس سے پہلے محمد کے زمانے کا تمام منسوخ اور غیر منسوخ شدہ قرآن کیا ہوا؟

کچھ مصحف بیبرس یا نسخۂ سمرقندی کے بارے

اس کے بارے میں علامہ محمد زاہد الکوثری فرماتے ہیں:

"رہا وہ مصحف جس کو الملک الظاہر بیبرس نے شمال میں "وولجا" اور اس کے مضافات میں مغل بادشاہوں کو تبلیغ کے لیے ارسال کیا تھا، اگرچہ اس کی ممالک میں شہرت ہو گئی ہے تاہم وہ مصحف عثمانی نہیں۔ وہ صحابہ کے قدیم منسوخ مصاحف میں سے تھا، کیونکہ اس کا رسم الخط حضرت عثمان ؓ کے خصوصی مصحف کے رسم الخط سے مختلف تھا۔"

جیسا کہ علامہ شہاب مرجانی نے "وفیات الاسلاف و تحیات الا خلاف" میں مصحف بیبرس کے رسم الخط کا، رائیۂ رسم الخط سے متعلق تالیفات میں مندرج تفاصیل کے مطابق، مصحف عثمانی کے رسم الخط سے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ اس کی تحقیق کی ہے۔ علامہ محمد زاہد الکوثری فرماتے ہیں، "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصحف بیبرس وہی ہے جو سلطنت شمالی منگولستان کے خاتمہ کے بعد سمرقند کی مسجد عبید اللہ الاحرار سمرقندی، میں محفوظ تھا اور جب پچھلی صدی میں روس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا تو اس مصحف کو یہاں سے قیصر روس کے خزانۂ کتب میں منتقل کیا گیا اور ان کے خاتمہ تک یہیں رہا۔" (ماہنامہ، فکر و نظر، ص435، شمارہ، دسمبر 1970ء)

کہتے ہیں کہ رسمِ جہاں بانی کے لیے مغل بادشاہ اپنے پاس آئینِ چنگیزی بھی رکھا کرتے تھے، جس کا نام 'یاسا' تھا اور چنگیز خان نے بلبق نام کی ایک کتاب میں، جس میں اس کے اقوال جمع تھے ، 'یاسا' کے بارے میں اپنے جانشینوں کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد جو حاکم آئیں اگر وہ 'یاسا' میں بیان کردہ اصولوں کی تھوڑی سی بھی خلاف ورزی کریں گے تو نظام حکومت بگڑ جائے گا۔

عربی کے کسی مشہور مورخ کا نام بتائے بغیر "قومی ڈائجسٹ" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "جب منگولین لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے شریعت کو اپنے قبائل کے رسم ورواج کے سانچے میں ڈھال دیا۔ خالص مذہبی امور کے لیے تو وہ قاضی القضاۃ سے دریافت کرتے تھے، مگر وہ اپنی ذات اور قبیلے سے متعلق مسائل میں چنگیز خانی 'یاسا' پر ہی عمل کرتے تھے، اور ان امور کے لیے وہ الگ افسر مقرر کیا کرتے تھے۔" جو یقیناً یاسا اور کتابِ بلبق کے عالم ہوں گے۔"

کہتے ہیں کہ وہ مصحف جو صحابہ کے کسی منسوخ مصاحف میں سے تھا، زوال روس کے پندرہ سال بعد پھر جامع سمرقندی منتقل ہو گیا، لیکن وہاں کے جاہل مسلمانوں نے پوشیدہ طور پر تبرک کے نام سے مختلف جگہوں سے بہت سے اوراق نکال لیے اور اس تاریخی مصحف کو پارہ پارہ کر دیا۔

اب اگر جیسا کہ علامہ الکوثری نے فرمایا، مملکتِ روس میں پایا جانے والا مصحف، مصحف عثمانی نہیں ہے بلکہ صحابہ کے قدیم منسوخ مصاحف میں سے ہے، تو پھر اِسے ہمارے موجودہ رائج نسخے سے رسم الخط اور بعض دوسری باتوں میں بھی مختلف ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ درست ہے کہ روس میں پایا جانے والا مصحف، الملک الظاہر بیبرس کا کسی مغل بادشاہ کو بھیجا جانے والا نسخہ ہی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب ہمارے پاس اصل مصحف عثمانی کون سا ہے اور کہاں ہے؟

ہمارے موجودہ رائج نسخے میں قریش کے تلفظ کی صحت کے لئے جو علامات خلیل بن احمد (وفات 160ھ) نے رائج کی تھیں یا جیسا کہ پروفیسر عبد الصمد صارم نے فرمایا کہ، وزیر ابن مقلّہ 338ھ نے خطِ کوفی میں اصلاح کر کے جو خطِ نسخ ایجاد کیا تھا اس کے بعد پھر شاید کسی قسم کی کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی، اس لیے تاریخی اعتبار سے سب سے آخری نسخہ یہی قرار پاتا ہے جو تحریری لحاظ سے ہمارے موجودہ قرآن کریم کے سفر کی آخری منزل تھی، اس لیے اس

اصل نسخے کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہو جاتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ بھی کہیں محفوظ ہو گا۔ لہٰذا، مختصر میں کہا جا سکتا ہے کہ تصحیح قرأت کا طویل سفر جو ابو الاسود الدوئلی (وفات 69ھ) سے شروع ہوا تھا، وہ وزیر ابن مقلّہ 338ھ پر ختم ہوا۔ یہ تمام بکھرے ہوئے اوراق ہیں جنھیں ایک جگہ مجتمع کرنے کی توفیق بھی مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوئی۔

اگرچہ جو اوراق اب باقی بچے ہیں وہ نہ تو خود محمد کی نگرانی میں تحریر کردہ ہیں، نہ ابو بکر کے مرتبہ مصحف کے ہیں، نہ حجاج بن یوسف والے نسخے کے ہیں، اور نہ ابو الاسود الدوئلی اور خلیل بن احمد یا وزیر ابن مقلّہ کے ہاتھوں کے آخری تحریر کردہ ہو سکتے ہیں۔ لے دے کر اب صرف عثمان کے اصل سے نقل کردہ مصاحف جنہیں خود بھی پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد مرتب کیا گیا تھا، اس سے نقل کردہ مصاحف کو یہ کہہ کر کہ "معتبر نقول کی موجودگی میں اصل کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے"، اصل مخطوطات کے نشانات کو جان بوجھ کر کسی سازش کے تحت مسلسل مٹایا جاتا رہا ہے۔ اور پھر بعد میں آنے والوں کا اس عمل کو دانشمندی جیسے القابات سے نوازنا، ان نوادرات کے ساتھ مزید ظلم کے مترادف ہے، جیسا کہ ہم اس باب کے آغاز میں کہہ چکے ہیں۔

عثمان کے مرتب کردہ سات مصاحف کی تفصیل عبد الصمد صارم نے کچھ اس طرح بتائی ہے۔ حضرت عثمان نے سات نقلیں کرائیں، ایک بطور سرکاری جلد کے اپنے پاس رکھی اسی کو مصحف الامام کہتے ہیں۔ اور باقی چھ نقلیں مکہ، بصرہ، کوفہ، یمن، شام اور بحرین کو بھیج دیں۔

(1) مصحف الامام تاحیات حضرت عثمان کے پاس رہا، پھر (خون آلود ہو کر) حضرت علی کے پاس رہا پھر امام حسن کے پاس رہا۔ اور خلافت کے ساتھ امیر معاویہ کے سپرد ہوا۔ وہاں سے مراکش کے دارالسلطنت فاس میں پہنچا پھر کسی طرح مدینہ آ گیا۔ جنگ عظیم (اول) میں فخری پاشا، ترکی گورنر دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا۔ (جو خون آلود ہونا چاہیے) وہاں اب تک موجود ہے۔

(2) مصحف مکی کی مولانا شبلی نعمانی نے غالباً 1896ء میں اپنی سیاحت کے دوران جامع دمشق میں زیارت کی تھی، جس کے بعد سلطان عبد الحمید خان کی تخت نشینی 1876ء اور 1896ء کے بعد کسی وقت مسجد میں آگ لگ جانے کے باعث وہ جل گیا۔

(3) مصحف شامی کے بارے میں محقق ہمیں بتاتا ہے کہ 375ھ کے بعد یہ نسخہ کوفہ سے سلاطین اندلس پھر موحدین سے امرائے بنی مرین کے قبضہ میں آیا اور جامع قرطبہ میں رہا، اہلِ قرطبہ نے اس کو سلطان عبد المومن کے سپرد کر دیا سلطان نے اسے 552ھ میں قرطبہ سے مراکش منتقل کیا۔ 375ھ میں خلیفہ معتمد علی بن مامون کے پاس تھا، اس کی وفات کے بعد تلمستان کے شاہی خزانہ میں پہنچ گیا، وہاں سے ایک تاجر خرید کر فاس لے آیا جو وہاں اب تک موجود ہے۔

(4) مصحف کوفی قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں ہے۔

(5) بصری کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصحف کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔

(6) مصحف یمنی کتب خانہ جامعہ ازہر مصر میں ہے۔(۷) مصحف بحرین فرانس کے کتب خانہ میں (محفوظ) ہے۔

(تاریخ القرآن، ص۱۰۵)

اس طرح عثمان کے سات مصاحف میں سے چھ یعنی آپ کا ذاتی اور کوفی، دو نسخے قسطنطنیہ ترکی میں، شامی نسخہ فاس میں، بصری اور یمنی دو مصر میں، اور بحرین والا فرانس کے کتب خانے میں کل چھ مصحف کلی یا جزوی طور پر محفوظ ہیں۔ پروفیسر عبد الصمد صارم ان کے علاوہ حضرت عثمان کے تین اور نسخوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جنہیں آپ نے دوم، سوم اور چہارم کا نام دیا ہے جو بالترتیب جامع سیدنا حسین قاہرہ مصر، کتب خانہ جامعہ ملّیہ دہلی، اور مصحف چہارم کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ اس پر لکھا ہے کہ مکتبہ عثمان بن عفان، یہ نسخہ شاہان مغلیہ کے پاس تھا، اکبر بادشاہ کی اس پر مہر ہے۔ 1945ء میں یہ نسخہ میجر راونس کو ملا، اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیا، جو اب انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کے 181 صفحات ہیں، فی صفحہ 16 سطریں ہیں، سورتوں کے نام ٹیڑھے خطوط میں لکھے ہیں، اور دس آیتوں کے بعد ایک نشان ایسے حرف کی صورت میں ہے جو ایک قدیم مغربی زبان کے حروف کی طرح ہے۔ اور دو سو آیتوں کے بعد حاشیہ پر ایک نشان ہے۔ طول و عرض میں 6.75x9.5 ہے۔ اس طرح شاہان مغلیہ کے پاس ملک الظاہر بیبرس کے علاوہ ایک اور نسخہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

مصحف ابن مسعود کے بارے میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے عہد عثمانی میں تین بار مصحف لکھا، آخری بار مصحف اپنے موقف سے رجوع کر کے موافق لغت قریش پر بھی لکھا تھا۔ یہ نسخہ کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ یہ ہرن کی جھلی پر لکھا ہوا ہے۔ شیخ ابراہیم حمدی مدیر کتب خانہ مذکور 1357ھ میں اس کو حیدر آباد دکن لائے تھے۔ پروفیسر صاحب کے مطابق، وہ بھی اس کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

ان کے علاوہ عہد اول کے اور بھی بہت سے مصاحف کا ذکر پروفیسر عبد الصمد صارم نے اپنی کتاب "تاریخ القرآن" میں کیا ہے۔ میرے خیال میں قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اتنے مختلف نسخوں کے ہجوم میں اصل نسخہ کی بابت فیصلہ کرنا کتنا مشکل ثابت ہو گا، مزید یہ کہ ان گوناگوں اور رنگ برنگے نسخوں سے قرآن کے "ذکر محفوظ" ہونے کے دعوے پر کس طرح کاری ضرب پڑتی ہے۔ اب یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوح محفوظ میں رقم اصل نسخے کو ریلیز کر دیں تاکہ ان تمام نسخوں کو اس معیار پر پرکھا جاسکے۔

****

چوتھا باب

گذشتہ ابواب میں مسلمان "اخباریوں" کے ڈھول کا پول کھولتے ہوئے دلائل و شواہد سے خوب اچھی طرح واضح کر دیا گیا کہ تاریخ قرآن کی پوری زبانی روایت غیر مستند اور تضادات سے پُر ہے جسے ایک غیر جانب دار تاریخ کا طالب علم کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ مزید بر آں مسلمانوں کی زبانی روایات خود قرآن کے جمع و تدوین اور اس کے "ذکر محفوظ" کے دعویٰ کو مشکوک بناتی ہیں۔ لہٰذا، آگے بڑھنے سے قبل، گذشتہ ابواب میں قرآن کے جمع و تدوین کی زبانی تاریخ کا آپریشن ضروری ہو جاتا ہے۔

جب محمد قرآن لائے، اس وقت عربی زبان کی ترقی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، اور چونکہ وحی لکھنے والے اپنی دستیابی اور عدم دستیابی کے باعث ایک دوسرے کی جگہ قرآن لکھتے تھے، جب محمد انہیں بتاتے تھے کہ جبرئیل نے آکر انھیں کچھ آیتیں دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ بعض کاتبوں نے لکھا دوسروں نے نہیں لکھا، اور چونکہ ہر ایک دو آیتیں ہڈیوں اور چمڑوں پر پر لکھی جاتی تھیں، جبکہ قرآن تئیس سالوں کے عرصے میں نازل ہوا۔ چنانچہ یہ بات یقینی ہے کہ اسے ایک مصحف میں جمع کرنے والوں کو اسے جمع کرنے اور لکھنے میں دشواری کا سامنا رہا ہو گا۔ پھر چونکہ کاتبوں میں لکھنے کی صلاحیت ایک دوسرے سے کافی مختلف تھی اور لکھنے کا طریقہ بھی ہر ایک کا اپنا تھا، اس لیے جب زید اور اس کے ساتھی قرآن لکھنے کے لیے آئے تو ہر ایک نے بغیر نقطوں کے الفاظ اپنے اندازے یا یاد کرنے کے حساب سے پڑھے۔ اس وجہ سے نئے مصحف کے الفاظ میں دیگر دستیاب مصاحف کے مقابلے میں فرق آگیا جیسے ابی بن کعب کا مصحف یا ابن مسعود کا مصحف وغیرہ۔ لہٰذا، بعد میں آنے والے فقہاء نے مختلف قراتوں کا شوشہ چھوڑا اور دعویٰ کیا کہ جب عمر محمد کے پاس ایک ایسا شخص لے کر آیا جو قرآن کو اس طرح سے نہیں پڑھتا تھا جیسا کہ اسے یاد تھا، تو محمد نے اس سے کہا کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، چنانچہ قراتیں بھی سات ہو گئیں، پھر دس ہوئیں، اور

آخر کار پچیس قراتوں تک جا پہنچیں (النشر فی القراءات العشر، ابن الجوزی ص 18)، یہ سب بغیر نقطوں کے حروف کی وجہ سے ہوا جس کی وجہ سے ہر شخص تحریر کو اپنے اندازے سے پڑھتا تھا۔

جب قرآن کی سورتوں کی ترتیب کی باری آئی تو ہر سورۃ کی طوالت اور اس کی آیتوں کی تعداد پر اختلاف ہو گیا، اسی طرح ان دعاؤں کا بھی مسئلہ کھڑا ہو گیا جو محمد پڑھا کرتے تھے کہ یہ قرآن میں سے تھیں یا محض دعائیں تھیں، نتیجتاً "مصحف عثمان" بے ترتیب آیات کا ایسا آمیزہ بن گیا جس میں مکی آیات مدنی سورتوں کے بیچ ٹھنسی ہوئی نظر آتی ہیں اور بر عکس بھی۔ پھر سورتوں کی ترتیب نزول کے تسلسل کے حساب سے نہیں تھی بلکہ زید بن ثابت نے سورتوں کو ان کی طوالت کے حساب سے شامل کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں بھی سورتوں کی طوالت پر صحابہ میں اختلاف ہو گیا، مثال کے طور پر سورہ احزاب جو "مصحف عثمان" میں صرف تہتر آیات پر مشتمل ہے، عائشہ، ابی بن کعب اور ابن مسعود کا اصرار تھا کہ زید کے "مصحف عثمان" جمع کرنے سے پہلے یہ سورہ بقرہ کے جتنی طویل تھی۔

مزید بر آں قرآن کی سورتوں کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، مصحف عثمان میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں جبکہ ابی بن کعب کے مصحف میں دو اضافی سورتیں ہیں جو سورہ الحفد اور سورہ الخلع ہیں، اس کے علی الرغم ابن مسعود کے مصحف میں صرف ایک سو بارہ سورتیں ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ معوذتین قرآنی سورتیں نہیں تھیں بلکہ محض دعائیں تھیں جو محمد دہراتے رہتے تھے۔

اور نہ جانے کیوں اللہ محمد سے یہ کہتا ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، جبکہ قرآن کہتا ہے؛ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا (اے پیغمبر ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں آسان بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچا دو اور جھگڑالوؤں کو ڈر سنا دو: سورہ مریم آیت 97) "یسر" یقیناً "عسر" کا عکس ہے۔ جب کہتا ہے کہ "یسرناہ بلسانک" تو اس کا مطلب ہے کہ معاملات کو آسان کرنے کے لیے قرآن محمد کی زبان میں نازل ہوا جو کہ اہل مکہ کی زبان تھی۔ ایک طرف آسانی کا دعویٰ تو دوسری طرف یہ کہنا کہ ہم نے اسے سات حروف پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی قرات پر اختلاف کریں؟ عمر بن الخطاب کی ایک روایت میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے ایک آدمی کو سورہ یوسف پڑھتے سنا، جس نے ایک آیت کو یوں پڑھا "لیسجننہ عتی حین"، جبکہ یہ آیت عثمان کے مصحف میں "لیسجننہ حتی حین" ہے، تو عمر نے اس پوچھا کہ تمہیں یہ کس نے پڑھائی

ہے؟ تو اس نے کہا کہ ابن مسعود نے، چنانچہ عمر نے ابن مسعود کو خط لکھ بھیجا جس کا متن کچھ یوں ہے؛ "تم پر سلام ہو، اس کے بعد کہ اللہ نے قرآن صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اسے اس قریش کے لہجے میں نازل کیا ہے، اگر تمہیں میرا یہ خط ملے تو لوگوں کو قریش کی زبان میں پڑھانا نہ کہ ہذیل کی زبان میں۔" (بحوالہ المنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین السیوطی ج 4، سورہ یوسف آیت 35)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کے سات حروف میں نازل ہونے کا مقولہ فقہائے اسلام نے قرآن کی قرات میں اختلاف کی پریشان کن صورتحال سے بچنے کے لیے ایجاد کیا، کیونکہ محمد وقت کے ساتھ ساتھ آیات بھول جاتے تھے اور اس وجہ سے نماز میں اپنی یاداشت کے حساب سے مختلف طریقے سے پڑھ جاتے تھے اور نئے مسلمان اس سے سنی ہوئی آیات کو یاد کر لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں قرآن کی قرات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (قرآن کی آیات بھول جانے کی تصدیق احادیث بھی کرتی ہیں)۔

راوی کہتے ہیں کہ محمد انہیں کوئی آیت سنا کر کہتے تھے کہ انہیں ان آیات کے ساتھ لگا دیا جائے جس میں بقرہ کا ذکر ہوا ہے یا نجم کا، کیا ان کے پاس آرکائیو archive کا کوئی نظام تھا تا کہ اس سے رجوع کر کے بقرہ والی آیات تلاش کی جا سکیں؟ اور وہ مسلمان کیا کرے گا جس نے کچھ سال پہلے ان آیات کو یاد کیا پھر اس میں نئی آیات شامل کر دی گئیں؟

پھر مسلمان مؤرخوں اور "اخباریوں" نے؛ جیسا کہ انہیں ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب "تاریخ العرب قبل الاسلام" میں مخاطب کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے خبروں کو بغیر کسی تبدیلی کے بالکل ویسا ہی نقل کیا جیسا کہ انہوں نے سنا تھا اور اسے تاریخ قرار دیا، ان لوگوں نے دعوی کیا کہ سارا قرآن محمد کے مرنے سے پہلے ہی لکھا جا چکا تھا، پھر دعویٰ کیا کہ ابو بکر نے یہ ساری تحریریں ایک مصحف میں جمع کیں اور حفصہ بنت عمر جو کہ محمد کی بیوی تھیں، ان کے پاس رکھوا دیا، پھر بتاتے ہیں کہ عثمان نے معاذ بن جبل کے اصرار پر؛ جس نے عراق میں ایک ہی سورۃ کی مختلف قراتیں سنی تھیں اور اسے اس اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری نوجوان زید بن ثابت کو سونپی تھی جس نے عثمان سے کہا: "میں وہ جمع کیسے کروں جو رسول اللہ نے اپنی زندگی میں جمع نہیں کیا۔" اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ابو بکر نے قرآن جمع کر لیا تھا تو عثمان کو اسے دوبارہ جمع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور پھر عثمان نے یہ ذمہ داری نوجوان زید کو ہی کیوں سونپی، جبکہ ابی بن کعب جیسے بڑے

بڑے صحابہ موجود تھے جنھیں محمد نے کہا تھا: "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں قرآن پڑھاؤں۔" تو کعب نے کہا: "کیا اللہ نے آپ کو میرا نام لیا؟" کہا: "ہاں"، تو ان کی آنکھیں بھر آئیں (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث 4676)، اور عبد اللہ بن مسعود جو دن رات محمد کے ساتھ سائے کی طرح رہتے تھے، اور نوے سورتوں کے حافظ تھے، ایسے صحابہ کو چھوڑ کر عثمان نے نوجوان زید بن ثابت کا انتخاب کیوں کیا جبکہ اللہ نے ابی بن کعب کو نام سے یاد کیا تھا؟

اور اگر عثمان نے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر کے اس کی چھ کاپیاں بنا کر مختلف ملکوں میں تقسیم کر دی تھیں جیسا کہ روایات کہتی ہیں تو اب تک ہمیں ان قرآنوں میں سے ایک بھی قرآن کیوں نہیں ملا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان محمد کی تھوک، ان کے وضو کے پانی اور سر منڈاتے وقت ان کے سر کے بالوں تک کے حصول کے لیے بے تاب رہتے تھے، وہ ان کے قرآن کے پہلے باقاعدہ نسخے کی حفاظت نہ کریں؟ سعودیہ میں اب بھی نبوی آثار کی سیل کے لیے بولیاں لگتی ہیں، 2005 میں محمد کی قبر پر رکھی جانے والی ایک جائے نماز کو 17 ملین ریال میں فروخت کیا گیا (حلیمہ مظفر – الشرق الاوسط، 7 اکتوبر 2005)۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کو جمع کرنے کی ساری تاریخ محض خیالی قصے ہیں، جنہیں مسلمان اخباریوں نے دوسری صدی ہجری میں گھڑا ہے، اس وقت دستیاب قرآن کوفی خط میں لکھا ہوا ہے۔ یہ خط جیسا کہ ماہرین لغات کہتے ہیں؛ پہلی صدی ہجری کے خاتمے اور دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اس حالت تک پہنچا تھا جس میں کہ یہ قرآن لکھا ہوا ہے (The Qur'an : Catalogue of Exhibition of Quranic Manuscripts At The British Library)

خود کوفہ شہر کی بنیادیں محمد اور ابو بکر کے مرنے کے بعد ہجرت کے 17 ویں سال کو رکھی گئی تھیں جو کہ عمر کا دور تھا، اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کوفی خط آہستہ آہستہ متعارف ہوا اور سینکڑوں سالوں بعد جا کر مکمل ہوا اور پہچان کے لیے اسے کوفی خط کہا جانے لگا تاکہ حجازی خط سے اس کی پہچان ہو سکے۔ اس کوفی خط میں بھی نقطے اور اعداد نہیں تھے جیسا کہ اس قرآن میں ہیں جسے "مصحف عثمان" کہا جاتا ہے۔

1965 میں یمن کے دار الحکومت صنعا میں الجامع الکبیر نامی مسجد کی چھت گرنے پر جو قرآنی مخطوطے دریافت ہوئے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں قرآن کو ایک متفقہ نسخے میں یکجا کرنے کی کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی تھی، اگر سارے مسلمان عثمان کے جمع کردہ قرآن پر متفق تھے تو انہوں نے مسجد کی ایک اضافی چھت بنا کر اس میں سینکڑوں قرآنی مخطوطے چھپانے کی کوشش کیوں کی؟ چھت بھی اتنی مضبوط بنائی کہ 1965 تک چھت کے گرنے تک کسی کو خبر تک نہ ہو سکی کہ اس چھت کی ایک اضافی درز میں قرآنی مخطوطے چھپے ہوئے ہیں! مسجد کی چھت میں قرآنی مخطوطے چھپانے کی کوشش سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چھپانے والوں کو عثمان کے قرآن پر اعتبار نہیں تھا کہ یہی درست قرآن ہے، چنانچہ جس قرآن کو وہ صحیح سمجھتے تھے اس ڈر سے کہ اسے ان سے ضبط نہ کر لیا جائے انہوں نے اسے مسجد کی چھت میں چھپا دیا۔

یہ مخطوطے جنہیں یمن کی حکومت نے چھپانے اور مستشرقین کو ان کی جانچ سے روکنے کی بھرپور کوشش کی، قرآن کے قدیم مخطوطوں کے اختلاف کو ثابت کرتے ہیں۔ ان مخطوطوں میں بھی کاتبوں کی آیات کو مٹا کر ان کے اوپر دوسری آیات لکھنے کی کوشش واضح نظر آتی ہے۔

یہ عربی مخطوطہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے، اس مخطوطے کی جرمن مستشرق اینو لیٹمن Enno Littmann نے دستاویز بندی کی ہے، اس میں صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ تو اس میں نقطے ہیں اور نہ ہی تنوین کی علامات اور یہ اس وقت رائج سریانی تحریر سے ملتا جلتا ہے۔ چونکہ اس وقت زیادہ تر لکھنے والے شام کے عیسائی تھے جو سریانی بولتے تھے اور انہوں نے انجیل اور تمام دینی ڈیٹا اسی میں لکھ رکھا تھا جسے عام لوگ نہ تو پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی سمجھ سکتے تھے، لہٰذا انہوں نے جیکب آف ایڈیسا Jacob of Edessa جس کی وفات 708 عیسوی میں ہوئی تھی، اس سے درخواست کی کہ وہ یونانی زبان کی طرح سریانی زبان کے لیے حروف علت vowels ایجاد کرے، تاکہ یہ زبان پڑھنے میں آسان ہو جائے۔ پہلے تو اس نے اس ڈر سے منع کر دیا کہ اس طرح تمام دینی کتابیں، جو حروف علت کے بغیر لکھی ہوئی تھیں، ضائع ہو جاتیں، لیکن بالآخر اس نے ایک درمیانہ حل نکالا اور ایسے حروف ایجاد کیے جو سطر کے اوپر نیچے لکھے جا سکیں تاکہ لکھے ہوئے الفاظ پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اس سے پہلے مختلف آوازوں کی پہچان کے لیے حروف پر رنگین نقطے لگائے جاتے تھے تاکہ حروف کے اپنے نقطوں سے ان کی الگ پہچان ہو سکے، لفظوں پر لکھے

جانے والے ان چھوٹے حروف کا یہ طریقہ کوفی خط میں لکھے جانے والے قرآن میں بھی موجود ہے اور رنگین نقطے بھی۔ قرآن کو کوفی خط میں لکھنے والے کاتب زبر کی آواز کے لیے لفظ کے دائیں طرف سرخ نقطہ لگاتے تھے اور پیش کی آواز کے لیے بائیں طرف نقطہ لگاتے تھے۔

ان مخطوطوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمر کے زمانے میں بھی عربی زبان میں نقطے تقریباً ناپید تھے جبکہ تنوین تو سرے سے تھی ہی نہیں اور جیسا کہ واضح ہے حرف "ر" حرف "د" کی طرح لکھا گیا ہے اور لفظ زمن میں حرف "ز" حرف "ذ" کی طرح لکھا ہوا ہے۔ لفظ عشرین میں حرف "ن" حرف "ز" سے مشابہ ہے۔ اگر عمر کے زمانے میں عربی تحریر کا یہ عالم ہے تو محمد کے زمانے میں کیا عالم رہا ہو گا؟

ہم نہیں جانتے کہ عربی زبان میں نقطے کس نے شامل کیے، اگرچہ عرب مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ یہ ابو الاسود الدؤلی تھا جس کی وفات 69 ہجری کو ہوئی، تاہم ان نقطوں کے پھیلاؤ میں سب سے بڑا کردار دو لوگوں کا رہا ہے، جن میں پہلا یحیی بن یعمر ہے جس کی وفات 90 ہجری کو ہوئی اور دوسرا ناصر بن عاصم اللیثی ہے جس کی وفات 100 ہجری کو ہوئی۔ پھر خلیل بن احمد الفراہیدی نے؛ جس کی وفات 170 ہجری میں ہوئی، عربی زبان میں تنوین (زیر زبر پیش وغیرہ) شامل کی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ "مصحف عثمان" جس پر آج کا قرآن مبنی ہے اور جس میں نقطے اور تنوین کی علامات موجود ہیں، یقیناً خلیل بن احمد کی وفات کے بعد لکھا گیا ہو گا، یعنی تقریباً دوسری صدی ہجری کے اختتام اور تیسری صدی ہجری کے آغاز پر، اور یہی مستشرقین کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

عثمانی مصحف سے ایسی بہت ساری آیات ساقط ہوئیں جو مسلمانوں کو یاد تھیں، ڈاکٹر این مری شمل Annemarie Schimmel کے مطابق یہ بات صنعا میں دریافت ہونے والے مخطوطوں سے واضح طور پر عیاں ہے جن کی تاریخ پہلی صدی ہجری کی ہے۔

اس تصویر کو جب آپ محدب عدسے کی مدد سے دیکھیں گے تو علم ہو گا کہ اس یمنی مخطوطے میں ساتویں سطر تقریباً مٹ چکی ہے، جبکہ آٹھویں سطر سے سورہ البروج شروع ہو رہی ہے، مصحف عثمان میں یہ سورت کچھ یوں شروع ہوتی ہے:

والسماء ذات البروج (1) والیوم الموعود (2) وشاہد ومشہود (3) قتل اصحاب الاخدود (4) النار ذات الوقود (5) اذہم علیہا قعود (6)

لیکن بغیر نقطوں کے اس یمنی مخطوطے میں یہ سورت اس طرح سے درج ہے:

والسماء ذات البروج (1) والیوم الموعود (2) وشاہد ومشہود (3) قتل اصحاب الاخدود (4) الا فی کتاب الوفود الوقود (5) اذہم علیہا قعود (6)

یعنی آیت نمبر پانچ بالکل ہی تبدیل ہے اور عثمانی نسخہ میں قطعی وجود نہیں رکھتی؟

چونکہ لوگ بغیر نقطوں کے الفاظ کو اندازوں سے پڑھا کرتے تھے، لہٰذا مصحف عثمان میں ملتا ہے:

"والشمس تجری لمستقر لہا "(سورہ یٰس آیت 8)، جبکہ ابن عباس یوں پڑھتے ہیں، "والشمس تجری لا مستقر

لہا"۔علامہ سیوطی "الاتقان فی علوم القرآن "میں الخلیل بن احمد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آیت "فجاسوا فی الارض" کو کچھ لوگوں نے "فحاسوا فی الارض" پڑھا تھا. سورہ اسراء کی آیت "وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا" کو کچھ لوگوں نے "وصی ربک الاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا" پڑھا تھا، ایسے ہی سورہ بقرہ کی آیت "وانظر الی العظام کیف ننشزہا" کو کچھ لوگوں نے یوں پڑھا تھا "وانظر الی العظام کیف ننشرہا"۔ الغرض اندازے کی قرات کی اتنی مثالیں ہیں کہ انہیں اس مضمون میں سمویا نہیں جاسکتا، تاہم اس سب سے اندازہ ہو جاتاہے کہ قرآن کو جمع کرنے کی تاریخ کسی طور قابل اعتبار نہیں ہے۔

****

پانچواں باب

برطانیہ کی جامعہ برمنگھم کے کتب خانے میں موجود قرآن کریم کا دو ورقی نسخہ جو سن 2015ء میں برمنگھم کتب خانے سے دریافت ہوا، جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قدیم ترین نسخہ ہے۔ جامعہ کے مطابق ریڈیو کاربن تجزیے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ مخطوطہ کم از کم 1370 سال پرانا ہے۔ قرآن کریم کا یہ مخطوطہ جامعہ برمنگھم کے کتب خانے میں مشرق وسطیٰ کی دیگر کتابوں اور دستاویزات کے ساتھ ایک صدی سے موجود تھا۔ جامعہ آکسفرڈ کے ریڈیو کاربن ایکسلیریٹر یونٹ میں کیے گئے تجزیے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ نسخہ بھیڑ یا بکری کی کھال پر لکھا گیا ہے، نیز اس تجزیے کے مطابق یہ سنہ 568ء اور سنہ 645ء کے درمیان کا نسخہ ہے۔

جب مسلمانوں کے ہاتھ یہ دو ورقی نسخہ لگا تو حسب سابق ان کی خوشیاں دیدنی تھیں۔ غیر مسلم مفکرین اور ماہرین کے تبصروں کے حوالوں سے مزین دعوؤں کا انبار لگ گیا، لیکن ان ماہرین کی تنقیدی آرا کو نظر انداز کر دیا گیا جو اس نسخہ پر سوالیہ نشان ثبت کرتے ہیں۔ اس معاملے کو ہم شروع سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلیجی ممالک میں کہا گیا کہ ابتدائی طور پر اس کو جتنی اہمیت دی جا رہی تھی اس سے یہ کئی گنا زیادہ معنی خیز اور اہم ہے اور اس نے ایک عالمی معمے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ برمنگھم یونیورسٹی میں ملنے والے قرآن شریف کے صفحات 1370 سال پرانے ہیں اور یہ ایک زمانے میں مصر میں فسطاط میں واقع دنیا کی قدیم ترین مسجد عمر بن عاص میں رکھے ہوئے تھے۔ ماہرین کو تقریباً یہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ صفحات پیرس میں فرانس کی نیشنل لائبریری 'ببلیو تھک نیشونال دی فرانس' میں رکھے قرآن شریف کے صفحات سے ملتے ہیں۔ لائبریری اس بارے میں قرآن کے تاریخ دان اور کالج دی فرانس میں معلم فرانسوا درپچو کا حوالہ دیتی ہے جنھوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ برمنگھم میں ملنے والے صفحات اور پیرس کی لائبریری میں رکھے ہوئے صفحات قرآن شریف کے ایک ہی نسخے کے ہیں۔

برمنگھم یونیورسٹی کی دستاویزت میں قرآن شریف کے صفحات تلاش کرنے والے محقق البا فدیلی کا بھی یہی کہنا ہے کہ پیرس اور برمنگھم یونیورسٹی میں موجود صفحات ایک ہی نسخے کے ہیں۔ پیرس کی لائبریری میں رکھے ہوئے صفحات کے بارے میں علم ہے کہ یہ فسطاط میں مسجد عمر بن عاص کے قرآن شریف کے نسخے کے ہیں۔ پیرس کی لائبریری کے صفحات انیسویں صدی کے اوائل میں نپولین کی فوج کے مصر پر قبضے کے دوران وہاں تعینات وائس کونسل ایسلین دی چرول یورپ لائے تھے۔

پروفیسر درپچو کا کہنا ہے کہ ایسلین دی چرول کی بیوہ نے یہ نسخہ اور کچھ اور قدیم دستاویزات برٹش لائبریری کو سنہ 1820 میں فروخت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ پیرس کی نیشنل لائبریری کو مل گئے اور جب سے اب تک یہ وہیں محفوظ ہیں۔ اگر یہ نسخہ پیرس کی لائبریری کو مل گیا تو برمنگھم یونیورسٹی میں پائے جانے والے صفحات وہاں کیسے پہنچے۔ پروفیسر درپچو کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی ہی میں فسطاط کی مسجد سے یہ نسخہ قاہرہ کی نیشنل لائبریری میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اسی دوران کچھ حصے نکال لیے گئے اور جو بعد میں فروخت کر دیے گئے۔ قیاس یہی ہے کہ متعدد بار فروخت ہونے کے بعد یہ صفحات ایلفاس منگانا کے ہاتھ آئے اور وہ انھیں برمنگھم لے آئے۔ منگانا کا تعلق اشوریہ

سے تھا جو جدید دور کا عراق ہے اور مشرق وسطی میں وہ نوادرات اکٹھا کرنے کے لیے مشرق وسطیٰ جایا کرتے تھے جن کا خرچہ برطانیہ کا کیڈبری خاندان اٹھاتا تھا۔

پروفیسر دریچو کا کہنا ہے کہ اس بات کے کوئی سرکاری شواہد موجود نہیں رہے لیکن اس طرح منگانا کو فسطاط کے خزینے کی چند دستاویزات ملی ہوں گی۔ منگانا کو انہی گراں قدر علمی خدمات کے عوض 'لیجن آف آنر' کا اعزاز دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت سی ایسی نادر دستاویزات کا ابھی منظر عام پر آنا باقی ہے جو مغرب کے خریداروں کو فروخت کی گئیں۔ لیکن سب سے زیادہ جو چیز بحث کا باعث بنی ہوئی ہے وہ ان صفحات کی اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخیں ہیں۔ برمنگھم میں پائے جانے والے صفحات کے بارے میں سب سے زیادہ حیران کن بات' کاربن ڈیٹنگ' کے طریقہ کار سے سنہ 568 اور سنہ 645 کے درمیان ان دستاویزات کی تاریخ کا تعین ہے۔

پیغمبر اسلام 632 میں فوت ہوئے تھے، جب کہ اس نسخے کی تحریر کی آخری تاریخ 645 عیسوی کی ہے، یعنی ان کی وفات کے صرف 13 برس بعد۔ برمنگھم یونیورسٹی میں عیسائیت اور اسلام کے پروفیسر ڈیوڈ ٹامس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جس شخص نے ان صفحات کو تحریر کیا وہ یقینی طور پر پیغمبر اسلام کو جانتا ہو گا۔

اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخوں کا تعین ان ماہرین کی نفی کرتا ہے جنھوں نے ان صفحات کے رسم الخط اور گریمر کے اصولوں کی بنیاد پر تجزیہ کیا ہے۔ لندن میں مشرقی اور افریقی علوم کے سکول میں اسلامی علوم کے شعبے سے وابستہ مصطفیٰ شاہ کا کہنا ہے کہ دستاویزات کا رسم الخط اور گریمر کی علامتوں سے لگتا ہے کہ یہ بعد کے دور میں لکھے گئے۔ عربی کے طرز تحریر کے ارتقا اور گریمر کے اصول میں تبدیلیوں کی بنیاد پر ڈاکٹر شاہ کے مطابق یہ صفحات ابتدائی دور کی تاریخوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔

پروفیسر دریچو کو کاربن ڈیٹنگ سے تاریخوں کے تعین پر شدید تحفظات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت سی دستاویزات جن کو لکھے جانے کی تاریخوں کے بارے علم تھا جب ان کی کاربن ڈیٹنگ کی گئی تو ان کے نتائج غلط نکلے، لیکن آکسفورڈ یونیورسٹی کے 'ریڈیو کاربن ایکسریلٹر یونٹ' کے سٹاف کا کہنا ہے انھوں نے ان دستاویزات کی تاریخ کا جو تعین کیا ہے وہ بالکل درست ہے چاہے اس کو قبول کرنا کتنا دشوار ہی کیوں نہ ہو۔

تحقیق کار ڈیوڈ شیول کا کہنا ہے کہ حالیہ برس میں تاریخ کے تعین کے طریقہ کار میں بہتری آئی ہے۔ برمنگھم کے قرآنی صفحات کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ بعد کی تاریخ زیادہ درست ہیں لیکن جس دور کا تعین کیا گیا ہے اس کے پچانوے فیصد درست ہونے کا امکان ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی لیبارٹری نے اسی یقین کے ساتھ رچرڈ سوم کی ہڈیوں کی ڈیٹنگ کے بعد تاریخوں کا تعین کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ انھیں تاریخوں کے بارے میں اس سے زیادہ یقین نہیں ہو سکتا۔ علمی ماہرین کی رائے بھی اب بدل رہی ہے۔

پیرس میں رکھے ہوئے انہی صفحات سے ملتے جلتے صفحات کی کاربن ڈیٹنگ نہیں کرائی گئی جن سے یہ بحث اپنے منطقی انجام تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر برمنگھم کے قرآنی صفحات کی تاریخ درست ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ برمنگھم کی یونیورسٹی سے صرف دو صفحات ملے ہیں اور پروفیسر ٹامس کا کہنا ہے کہ مکمل قرآن کے دو سو مزید صفحات ہونے چاہییں۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک انتہائی یادگار قسم کا نسخہ ہو گا۔ اس سے یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کس نے اس قرآن کو تحریر کروایا ہو گا اور اس کے لیے وسائل مہیا کیے ہوں گے۔

متحدہ عرب امارات کے حاکموں کی طرف سے تعلیم کے فروغ کے لیے بنائے گئے ادارے محمد بن راشد المختوم فاونڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر جمال بن حواریب کا کہنا ہے کہ اس ثبوت سے ایک اور شاندار نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ برمنگھم میں ملنے والے قرآنی صفحات قرآن شریف کے پہلے مکمل نسخے کے ہیں جو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق نے 632 سے 634 تک کے مختصر دورِ خلافت میں مرتب کروایا۔

برمنگھم میں ان صفحات کو دیکھنے کے بعد جمال بن حواریب کا کہنا تھا کہ یہ مسلم دنیا کے لیے بہت بڑی دریافت ہے۔ ان کے خیال میں یہ حضرت ابو بکر کے قرآن کے صفحات ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جس معیار کے پارچہ جات کا استعمال کیا گیا ہے اور جس طرز کی یہ تحریر ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اعلیٰ پائے کا کام ہے اور اس کو کسی انتہائی اہم شخصیت نے مرتب کروایا تھا۔ ریڈیو کاربن ڈیٹنگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی دور سے ہے۔ جمال بن حواریب نے کہا کہ یہ نسخہ، یہ کلیات اور یہ مسودہ اسلام اور قرآن کی جڑ سے ہے۔

کچھ اور امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ ریڈیو کاربن ڈیٹنگ سے اس جانور کے انتقال کی تاریخ کا تعین ہو تا ہے جس کی کھال پر یہ تحریر کیا گیا نہ کہ تحریر کی اصل تاریخ کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسودہ 645 کے بعد کا بھی ہو سکتا ہے اور پروفیسر ٹامس کا اصرار ہے کہ ممکنہ تاریخیں 650 اور 655 کے درمیان کی ہو سکتی ہیں۔

یہ 644 سے 656 کا وہی درمیانی دور ہے جب خلیفہ ثانی حضرت عثمان نے قرآن شریف کے نسخے مرتب کروائے جنھیں مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو بھیجے جانا مقصود تھا تاکہ پورے عالم اسلام میں ایک ہی قرآن ایک ہی ترتیب اور زبان سے رائج ہو۔

ان مفروضے کو حتمی طور پر مسترد یا منظور کر لینا ممکن نہیں ہے۔ شارجہ میں امریکن یونیورسٹی میں شعبے عربی میں ترجمے سے منسلک جوزف لمبارڈم نے کہا کہ اگر ابتدائی دور کی تاریخیں درست ہیں تو کسی مفروضے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس مفروضے کو بھی رد نہیں کریں گے کہ یہ اس نسخے کے حصے ہیں جو زید بن ثابت نے حضرت ابو بکر کے دور میں مرتب کیا۔ انھوں نے کہا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حضرت عثمان کے دور کے نسخے کی نقل ہو۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ دریچو کے استدلال کو بھی رد نہیں کریں گے کیونکہ وہ اپنے شعبے میں ماہر ہیں۔ پروفیسر ٹامس نے کہا کہ ابتدائی نسخوں کی کاپیوں سے بنائی گئی کاپیوں میں سے شاید یہ ایک ہو جو خاص طور پر قاہرہ کی مسجد عمر بن عاص کے لیے مرتب کی گئی ہو۔

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو جو نہایت ہی سنگین ہے اور قرآن کے وجود پر ہی سوالیہ نشان ثبت کر دیتا ہے۔

(1) مورخین اور ماہرین متذکرہ برمنگھم کے نسخے پر سب سے پہلا سوال یہ ثبت کرتے ہیں کہ کاربن ڈیٹنگ پارچہ جات کی ہوئی ہے نہ کہ اس روشنائی کی جس سے وہ تحریر رقم کی گئی ہے۔ لہٰذا پارچہ جات کے تاریخ کو تعین کا اطلاق تحریر پر نہیں کیا جا سکتا۔ نیویارک ٹائمس میں شائع ایک تحریر تاریخ کے تعین کو "اندازہ" سے تعبیر کرتی ہے، اصل متن ملاحظہ فرمائیں:

Graham Bench, director of the Center for Accelerator Mass Spectrometry at Lawrence Livermore National Laboratory, concurred,

and added a caveat: “You’re dating the parchment,” he said. “You’re not dating the ink. You’re making the assumption that the parchment or vellum was used within years of it being made, which is probably a reasonable assumption, but it’s not watertight."

(2) اس سے بھی سنگین ترین سوال اس نسخہ پر یہ اٹھتا ہے کہ ماہرین نے اس نسخہ کے تاریخ کا تعین 568-645 عیسوی مقرر کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی پیدائش 570 عیسوی کو ہوئی اور وفات 632 کو ہوئی۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام پر قرآن کی پہلی آیت ان کے 40 سال کی عمر میں نازل ہوئی یعنی 610 عیسوی میں۔ گویا اب 610 اور سنہ وفات 632 کے درمیان صرف 22 سال کی مدت میں مکمل قرآن نازل ہوا۔ جیسا کہ ہم اس کتابچے کے اوائل باب میں تذکرہ کر چکے ہیں کہ مسلمان اخباری دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے حیات کے دوران قرآن لکھا جاتا رہا، حفظ کیا جاتا رہا لیکن اسے مرتب نہیں کیا گیا تھا یعنی اسے کتابی شکل نہیں دی گئی تھی بلکہ بکھری ہوئی شکل میں موجود تھا۔ مسلمان اخباریوں کے ہی مطابق اسے سب سے پہلے خلیفہ دوم عمر فاروق کے مشورے پر خلیفہ اول ابو بکر صدیق نے اپنے دور خلافت میں مرتب کیا لیکن جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، اسے مصحف عثمانی کہا جاتا ہے جسے 650 عیسوی میں خلیفہ سوم عثمان بن عفان نے رطب و یابس اس میں سے منہا کر کے مکمل کتابی صورت دی اور سابقہ مصاحف کو تلف کر دیا۔

اب برمنگھم یونیورسٹی کے زیر تبصرہ نسخے کے طرف پلٹتے ہیں تو پاتے ہیں کہ کم از کم یہ نسخہ عثمانی تو ہو ہی نہیں سکتا چونکہ کاربن ڈیٹنگ بتا رہی کی آخری تاریخ 645 اس کو مسترد کر رہی ہے۔ اگر یہ نسخہ ابو بکر کے دور خلافت میں مرتب کردہ نسخہ ہے تو سب سے پہلے مسلمان اخباریوں کو اپنی روایات بدلنی ہوں گی کہ خلیفہ سوم نے سابقہ تمام مصاحف کو تلف نہیں کیا تھا، اور یہ وہ مصحف عثمانی نہیں ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہی آج ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن اس بارے میں ہم مسلم علما کا اختلاف پاتے ہیں اور ان میں سے بیشتر برمنگھم یونیورسٹی کے اس دو ورقی نسخہ کو مصحف عثمانی کا نسخہ بتاتے ہیں۔

(3) اب جگر تھام کر بیٹھیے، یہ تیسرا سوال نہایت ہی اہم ہے جو قرآن پر نہایت ہی سنگین الزام عائد کر رہا ہے۔ناقدین نے سوال اٹھایا کہ اگر کاربن ڈیٹنگ نے 568-645 عیسوی مقرر کیا ہے تو اس کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ کہ ہم ٹائم فریم کو اسلامی مفروضات کے اعتبار سے 610 (نزول وحی) اور 632 (پیغمبر کی وفات) عیسوی کے درمیان فٹ کر دیں۔کاربن ڈیٹنگ کے متعین کردہ تاریخ کے اعتبار سے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ پارچہ جات پیغمبر اسلام کی پیدائش (570 عیسوی) سے قبل یعنی 568 تا 569 کی ہو؟ یا یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ کاربن ڈیٹنگ کی پیش کردہ اوائل تاریخ جن میں پیغمبر اسلام کی پیدائش سے لے کر بچپن اور جوانی بھی شامل ہے، وہی اس پارچہ جات کی اصل ہو؟ ماہرین نے بتایا کہ جس کھال کا استعمال کیا گیا، اس کا جانور پیغمبر اسلام کی حیات میں زندہ تھا لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ جانور 610-632 کے درمیان ہی زندہ تھا؟ ممکن ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کی پیدائش سے لے کر جوانی بلکہ نزول قرآن سے پہلے تک زندہ ہو؟ ان سوالوں کے جو نتائج ماہرین نے اخذ کیے ہیں، وہ پیش خدمت ہیں:

آکسفورڈ یونیورسٹی کی Manuscript consultant ڈاکٹر کیتھ اسمال (Dr. Keith Small) کے مطابق:

This gives more ground to what have been peripheral views of the Koran’s genesis, like that Mohammed and his early followers used a text that was already in existence and shaped it to fit their own political and theological agenda, rather than Mohammed receiving a revelation from heaven.

ٹائمس آف لندن کے سائنس رائٹر اولیور موڈی (Oliver Moody) بھی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

If the dating is correct, the “Birmingham Koran” was produced between AD568 and AD645, while the dates usually given for Muhammad are AD570 to AD632... it could date back to Mohammed’s childhood, or possibly even before his birth.

اب جب متذکرہ قرآنی نسخوں پر اتنے سنگین الزامات عائد ہونے لگے تو مسلمانوں کی خوشیوں کا نشہ اتر آیا اور حسب معمولی دفاع پر اتر آئے، لیکن دفاع صرف تردیدی بیان تک محدود رہا، مثلاً: “Muslims Reject Claims that Qur’an Predated Prophet” جیسے فقروں سے کام چلانا کافی سمجھا گیا۔ یہ بوکھلاہٹ اتنی بڑھ گئی کہ سعودی اسکالرز نے برمنگھم کے اس دعویٰ کو ہی مسترد کرنے میں عافیت سمجھی کہ موصولہ نسخہ قرآن کا قدیم ترین نسخہ ہے، انھوں نے ایک دور کی کوڑی یہ لائی کہ اسے اس لیے تسلیم نہیں کیا جاسکتا چونکہ اس نسخہ میں سرخ روشنائی کا استعمال دو سورتوں کو تقسیم کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام کے وقت تھا ہی نہیں۔ لہٰذا ان اسکالرز نے قرآن کے دفاع کے لیے یہ مفروضہ گڑھا کہ ہو نہ ہو برمنگھم نسخہ خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے دور خلافت کا ہی ہوگا، لیکن جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ خود مسلمان اخباریوں کے مطابق مصحف عثمانی 650 عیسوی میں پایہ تکمیل کو پہنچا یعنی کاربن ڈیٹنگ ہوئے اس پارچہ کے دو سال بعد ظہور میں آیا۔

المختصر، قرآن کی تاریخ پر جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ اس سے یہ تک ثابت نہیں ہوتا کہ یہ پیغمبر اسلام محمد بن عبد اللہ پر ہی نازل ہوئی تھی۔ کلام الٰہی اور کلام محفوظ وغیرہ جیسے دعوے تو دور کی بات ہے، مسلمان پہلے یہی ثابت کر دیں کہ مکمل قرآن محمد بن عبد اللہ کی ہی تصنیف کردہ ہے۔

* * * * * * * * * * * * *

حوالہ جات

- قرآن
- اسباب النزول للواحدی، ایڈیشن 1968، مؤسسۃ الحلبی مصر
- تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس للفیروزی، دوسرا ایڈیشن 1950، مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی مصر
- تفسیر الجلالین، دوسرا ایڈیشن، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
- الناسخ والمنسوخ، تصنیف ہبۃ اللہ سلامۃ بن نصر بن علی البغدادی / تحقیق ڈاکٹر موسی بنای علوان العلیلی، الدار العربیۃ للموسوعات بیروت
- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر القرطبی
- الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین السیوطی، المطبعۃ الازہریۃ بالقاہرۃ
- تاریخ الطبری، جلد دوم
- طبقات ابن سعد
- صحیح بخاری
- صحیح مسلم
- غیر عرب دنیا اور عربی قرآن: سعید احمد راقب
- جمع القرآن: علامہ تمنا عمادی پھلواروی
- مفتاح القرآن: مظہر الدین ملتانی
- کنز العمال، جلد اول
- جزیرۃ العرب: پروفیسر محمود بریلوی

- تاریخ القرآن: پروفیسر عبد الصمد صارم
- ماہنامہ "فکر و نظر"، دسمبر 1970
- تاریخ العرب قبل الاسلام: ڈاکٹر جواد علی
- جرات تحقیق
- The Origins of the Koran, 1998, Prometheus, Ibn Warraq
- Introduction to the Quran, Montgomery Watt & Richard Bell
- Dictionary of Learned Men of Yakut VI, Edit. D.S. Margoliouth
- Mystical Dimension of Islam, Annemarie Schimmel
- Understanding the Sana Manuscripts
- http://www.dailymail.co.uk/news/article-3216627/Koran-Birmingham-thought-oldest-world-predate-Prophet-Muhammad-scholars-say.html
- http://www.patheos.com/blogs/friendlyatheist/2015/09/01/carbon-dated-quran-may-be-older-than-muhammad-challenging-islams-/most-basic-tenets
- http://www.bbc.com/urdu/world/2015/12/151223_quran_oldest_fz

سید امجد حسین کی دیگر کتب

قرآن اور اس کے مصنفین

اعجاز القرآن: ایک تنقیدی مطالعہ

کب کا ترک اسلام کیا

واقعہ کربلا: چور مچائے شور

معراج امجدیہ